المؤسس محبۃ الکاملین امام الواصلین امیر ملت حضرت مولانا
الحاج پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

انوار الصوفیہ

قصور

مدیر
غلام رسول گوہر

مقام اشاعت: کوٹ عثمان خاں قصور ضلع لاہور

بسرپرستی مولانا الحاج پیر سید نور حسین شاہ صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

بنظرِ عنایت حضرت مولانا الحاج پیر سید

محمد حسین شاہ صاحب علیہ الرحمۃ

بظلِ عاطفت حضرت مولانا الحاج پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب

جلد (۶۰) شمارہ ۳

بابت ماہ فروری ۱۹۷۲ء

مدیر مسئول :- غلام رسول گوہر جماعتی

مدیر معاون :- مولانا محمد عبد العزیز صاحب
نقشبندی مرتضائی

بدل اشتراک		
سالانہ چندہ	۵ روپے
معاونین سے	۱۰ روپے
سرپرست حضرات سے	۲۰ روپے

مقام اشاعت } کوٹ عثمان خاں قصور

محمود حسن پرنٹر نے لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور سے چھپوا کر غلام رسول گوہر پبلشر نے کوٹ عثمان خاں قصور سے شائع کیا۔

سرخ نشان ○

اگر آپ کے اس رسالہ میں اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اس رسالہ کے وصول ہونے کے لئے آئندہ سال کے لئے پانچ روپے فوراً ارسال کر دینے چاہئیں

گوہر

ہر طرف ہیں حقتعالیٰ بے نقاب آئے ہوئے

یہ رسول اللہ ہیں امّ الکتاب آئے ہوئے
مصطفےٰ الیٰسین لقب طٰہٰ خطاب آئے ہوئے
غیرتِ صد ماہتاب و آفتاب آئے ہوئے
عقلِ کل اُمّی لقب مکی نقاب آئے ہوئے
حق تعالیٰ کی نگاہِ انتخاب آئے ہوئے
نورِ سُبحانَ الّذِی اَسریٰ خطاب آئے ہوئے
ہیں خورشیدِ شریعت لاجواب آئے ہوئے
نقطۂ بسم اللہ ام الکتاب آئے ہوئے
یہ جو عارض ہیں رسول اللہؐ کے سمجھو انہیں
ہیں خلیلی گلستاں سے یہ گلاب آئے ہوئے
حسنِ مازاغ البصر یا مستی چشم نبی
لے کے ہیں لبریز پاکیزہ شراب آئے ہوئے
کوئی سالک ہے کوئی مجذوب گویا ہر طرف
مستی چشم نبی سے انقلاب آئے ہوئے
یہ جو صدیقؓ و عمرؓ ہیں اور عثمان و علیؓ
آسمانِ دین کے ہیں ماہتاب آئے ہوئے
ہم سیہ کارانِ امت کو مبارک ہو کہ آج!
گیسوئے واللیل ہیں کیا مشکناب آئے ہوئے
ایسے جلوے ہیں تعالیٰ اللہ گویا جا بجا
ہر طرف ہیں حقتعالیٰ بے نقاب آئے ہوئے

شکر ہے اے دردؔ دھونے کے لئے فردِ گناہ ؛ آج ہیں رحمت کے بادل بحساب آئے ہوئے

دردؔ کاکوروی

مترجم: غلام رسول گوہر جماعتی (مدیر مسئول)

الہدیۃ البہیۃ

(ترجمہ) مجالس السنیہ

اس لئے کہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہے۔ اس مسئلہ کے اشباہ و نظائر بہت ہیں اور ان کے بیان کرنے کا موقع و محل فقہ کی کتابیں ہیں۔ یہاں تو صرف اس کے اصل پر تنبیہ کرنا مقصود تھی۔ حدیث مذکورہ کے مفہوم و منطوق کا مصداق آیۃ کریمہ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ہے۔ اور یہ آیت اصل میں آیۃ فَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ کی بیّن مفسر ہے۔ اس لئے کہ تقویٰ کا اصل اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ بندہ اللہ کے اوامر کا امتثال اور اس کے نواہی سے احتراز و اجتناب کرے اور اللہ کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتا جیساکہ اس کا قول ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا: اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اس کی طاقت کے موافق وَمَا جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ اور اللہ نے تمہارے اوپر دین میں تنگی نہیں ڈالی۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قصیدہ میں کہ خوب فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے۔ ضعیف آدمی اگر طاقت ور آدمی کی طرح کثرت طاعات پر قادر نہ ہو تو اس کو غم نہیں کھانا چاہیئے اس لئے کہ اللہ کی رحمت جو قوی اور ضعیف اور کمینہ اور شریف کو عام ہے اس سے کمزوروں کو بسا اوقات نصیب وافر ملتا ہے۔ اور اس کی رحمت کے زیادہ مستحق وہی لوگ ہیں جن کے قویٰ اور اعضاء کمزور ہیں۔ اگرچہ وہ کئی ایک نیکیوں سے بوجہ ضعف کے محروم ہیں۔ لیکن ان کے قلوب میں ان نیکیوں کا ارمان ضرور ہے۔ جن کو طاقت والے کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ جو کمزور ہیں وہ شکستہ خاطر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انا عند المنکسرۃ قلوبہم: میں ان لوگوں کے قریب ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں اور اس لئے بھی کہ ان کے باطن درست اور ان کی نیتیں خالص ہیں اور ریا اور دکھاوے اور ظاہری نمود سے دور ہیں۔ ضعیفوں کو اس لنگڑی بکری کے حال میں غور کرنا چاہیئے جو اپنے ضعف کے باعث گلہ کے ساتھ نہیں چل سکتی اور وہ سب بکریوں سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ شام ہونے کو جب سب بکریاں جو اس سے آگے نکل گئی تھیں اپنے مالک کی طرف واپس آتی ہیں تو وہ اس لنگڑی بکری کو اپنے آگے دیکھتی ہیں۔ ضعیف کے لئے لائق ہے کہ دوسروں پر حسد نہ کرے کہ انہوں نے حج اور جہاد کیا اور میں نے نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی چھوٹی نیکی جو اس نے خالص نیت سے کی ہے۔ اجر و ثواب میں کئی لوگوں کے حج اور جہاد سے بھی زیادہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کی بہت لمبی کھجور ہوتی ہے مگر اس کو پھل کم لگتا ہے اور کسی کی کھجور چھوٹی ہوتی ہے مگر اس کو پھل بہت لگتا ہے۔ اب چھوٹی کھجور والے کو بڑی کھجور والے پر حسد

کرنے کا کوئی حق نہیں، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ بَلْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ ۔ بیشک اللہ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے فانما اھلک الذین من قبلکم کثرۃ مسائلھم یعنی سوائے اس کے نہیں تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سوالوں کی کثرت نے جو بلاضرورت کرتے تھے ہلاک کیا۔ واختلافھم علیٰ انبیاءھم اور ان کے اختلاف نے جو وہ اپنے نبیوں سے کرتے تھے اس لئے کہ اختلاف سے تفریق پیدا ہوتی ہے اور شارع علیہ السلام کا مقصود اجتماع و اتفاق ہے یہی وجہ ہے کہ ابی ابن کعب اور زید ابن ثابت اور ان کے سوا اور فاضل صحابہ سے مروی ہے کہ جب ان سے سوال ہوتا تو وہ کہتے کیا یہ بات جو تو نے پوچھی ہے واقع ہوئی ہے اگر سائل کہتا کہ ہاں واقع ہوئی ہے تو وہ اپنے علم کے ساتھ اگر ہوتا تو اس کا حکم بیان کرتے اور اگر علم نہ ہوتا تو اپنے غیر کے حوالہ کرتے اور اگر سائل کہتا کہ یہ بات ابھی واقع نہیں ہوئی تو فرماتے کہ چھوڑ اس بات کو یہاں تک کہ وہ واقع ہو۔ امام نووی نے ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ حدیث میں لفظ اختلاف کی فا پر ضمہ پڑھا جائے کسرہ نہ پڑھا جائے اس لئے کہ اس کا عطف کثرت پر ہے مسائل پر نہیں۔ اس اعتبار سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کو مسائل کی کثرت نے اور ان کے اختلاف نے ہلاک کیا۔ یہی معنی بہت صحیح ہیں اس لئے کہ ہلاکت اختلاف سے پیدا ہوتی ہے اگرچہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ مصنف نے یہاں ایک اور تنبیہ بھی کی ہے کہ مفسرین نے آیۃ واذ قال موسٰی لقومہٖ ان تذبحوا البقرۃ میں کہا ہے کہ اگر بنی اسرائیل کوئی معمولی سی گائے بھی ذبح کرتے تو ان کے لئے کافی تھا لیکن انہوں نے حضرت موسٰے علیہ السلام سے بار بار سوال کر کے جب خود اپنے نفسوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی جیسا کہ اس نے فرمایا فذبحوھا وما کادوا یفعلون ۝ انہوں نے گائے کو ذبح کیا اور قریب نہیں تھا کہ وہ اس کو ذبح کرتے اس لئے کہ ان کے کثرت سوال سے گائے اوصاف کثیرہ میں مقید اور مخصوص ہوگئی تھی جس کا ملنا آسان نہ تھا۔ ہم گائے کا قصہ اس مجلس کو پورا کرنے کے لئے بتمامہ یہاں نقل کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں

بنی اسرائیل کی گائے کا قصہ

امام بغوی اور ان کے غیر نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کی قوم میں ایک غنی دولت مند آدمی تھا؟ جس کا اس کے چچازاد بھائی کے سوا جو بہت غریب تھا کوئی وارث نہیں تھا۔ اس کا چچازاد بھائی اس کی موت کا انتظار کرتے تھک گیا اس لئے کہ وہ اس کی مرنے کے بعد اس کے مال کا وارث ہو کر دولت مند ہونا چاہتا تھا۔ آخر اس نے ایک رات اپنے غنی بھائی کو قتل کیا اور دوسری بستی میں اس کے دروازے کے سامنے اس کی لاش پھینک دی۔ جب دن چڑھا تو لوگ ایک لاش کو دروازے کے سامنے دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور اس کے قاتل کی جستجو اور تلاش کی تاکہ اس سے مقتول کا قصاص یا خون بہا لیا جائے مگر اس کا قاتل معلوم نہ ہو سکا۔ پھر لوگ حضرت موسٰے علیہ السلام کے پاس آئے کہ وہ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ اس کے قاتل کو بیان کرے۔ (کلبی نے کہا یہ واقعہ توراۃ میں قسامۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ قاتل کو دریافت کرنے کیلئے ایک گائے کو ذبح کریں

انہوں

کہا اے موسیٰ تو ہم سے مذاق کرتا ہے یعنی ہم تو یہ پوچھتے ہیں کہ تو اپنے رب سے دریافت کر کے قاتل کا پتہ دے اور تو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ ۝ میں اللہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہوں اس لئے کہ ایمانداروں سے مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ میں جواب کے سوال کے موافق نہ ہونے سے پناہ مانگتا ہوں کہ یہ شیوہ بھی جاہلوں کا ہے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ گائے کا ذبح کرنا ہی اللہ کا حکم ہے تو انہوں نے گائے کی صفتیں پوچھنا شروع کیں اور اس میں ایک بڑی حکمت تھی اور وہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا اور اس کا ایک بچہ اور ایک بچھڑا تھا وہ شخص بچھڑے کو جنگل میں لایا اور کہا اے اللہ میں تیرے پاس یہ بچھڑا اپنے بیٹے کے لئے امانت رکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ بڑا ہو۔ پھر وہ آدمی اپنی زندگی کے دن پورے کر کے فوت ہو گیا اور وہ بچھڑا کئی سال جنگل میں رہا۔ جو کوئی اس کو دیکھتا وہ اس سے بھاگ جاتا کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ جب مرد صالح کا بیٹا جوان ہوا اور وہ اپنی ماں کا بڑا فرمانبردار اور اس سے نیکی کرنے والا تھا۔ رات کو وہ تین حصوں میں تقسیم کرتا تھا۔ ایک تہائی نماز میں گذارتا اور ایک تہائی نیند میں اور ایک تہائی اپنی ماں کے سر کے قریب بیٹھ کر اور جب دن چڑھتا تو لکڑیاں جمع کرنے کے لئے جنگل کو چلا جاتا اور پھر بازار میں لا کر ان کو فروخت کرتا۔ اس کی قیمت سے وہ ایک تہائی اپنے اوپر خرچ کرتا اور ایک تہائی ماں کو دیتا اور ایک تہائی صدقہ کرتا ایک دن اس کی ماں نے کہا تیرے والد نے تیرے لئے جنگل میں ایک بچھڑی چھوڑی ہے وہ اللہ کی حفاظت میں ہے تیرے بغیر اس کو کوئی نہیں لے سکتا تو جنگل میں جا اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے خدا کو پکار کر کہہ کہ وہ بچھڑی تیرے حوالے کرے اس کی علامت یہ ہے کہ جب تو اس کو دیکھے گا تو یوں معلوم ہوگا کہ اس کے جسم سے شعاعیں نکلتی ہیں اور اس کو اس ڈیل ڈول کی وجہ سے مذہبہ (سنہری کھال والی) کہا جاتا ہے وہ جوان اس جنگل میں گیا اور کہا اے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کے خدا تجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ میری امانت میرے حوالے کر۔ ابھی وہ یہ دعا مانگ ہی رہا تھا کہ وہ بچھڑی جو گائے بن چکی تھی دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی اس نے اس کو سینگوں سے پکڑا اور کھینچنے لگا گائے نے انسانی زبان میں اس کو کہا اے اپنی ماں کے فرماں بردار میری پیٹھ پر سوار ہو جا یہ تیرے لئے آسان ہے جوان نے کہا میری ماں نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا اس نے سینگ پکڑنے کا ہی حکم دیا تھا۔ گائے نے کہا ابراہیم کے خدا کی قسم ہے اگر تو میری پیٹھ پر سوار ہوتا تو مجھ کو کبھی نہ پا سکتا۔ اب تو شوق سے چل اگر تو پہاڑ کو حکم دے تو وہ بھی تیرے حکم سے اپنی جگہ سے ہل جائے گا اور تیرے ساتھ چلے گا۔ ماں سے نیک سلوک کرنے کی برکت سے جب وہ گائے لیکر ماں کی خدمت میں آیا تو ماں نے کہا تو ایک محتاج آدمی ہے تیرے پاس مال نہیں اور رات کو قیام کرنا اور دن کو لکڑیاں جمع کر کے لاتا تیرے لئے بڑی مشقت ہے اس لئے تو اس گائے کو بیچ دے۔ جوان نے کہا کتنے کو بیچوں ماں نے کہا تین دینار سے اور جب تو اس کو بیچنے لگے تو میرا مشورہ لے لینا میرے مشورے کے بغیر مت بیچنا جوان گائے لیکر بازار میں گیا اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو آدمی کی شکل میں خریدار بنا کر بھیجا تاکہ وہ اس کو اپنا خلق اور قدرت دکھائے اور جوان کا امتحان کرے کہ وہ ماں کا کہاں تک فرماں بردار ہے فرشتے نے کہا کہ تو یہ گائے کتنے کو بیچے گا اس نے کہا تین دیناروں سے اس شرط پر کہ میں اپنی ماں کو پوچھ لوں کہ وہ راضی ہے یا نہیں فرشتہ نے کہا میں تمہیں گائے کی قیمت چھ دینار دوں گا مگر ماں سے مت پوچھ۔ جوان نے کہا

اگر تو اس گائے کے وزن کے برابر تول کر بھی سونا دے تو میں پھر بھی ماں سے اجازت لئے بغیر ہرگز فروخت نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ ماں سے پوچھنے کے لئے آیا۔ ماں نے چھ دینار پر فروخت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے واپس آکر کہا میں گائے کو چھ دینار سے بیچوں گا اور اس سے کچھ زیادہ نہ لوں گا فرشتے نے کہا میں تمہیں بارہ دینار دوں گا۔ جوان نے کہا میں اپنی ماں سے پوچھ لوں اگر وہ اتنی قیمت پر راضی ہوئی تو اتنی ہی قیمت لوں گا پھر وہ ماں کے پاس آیا کہ گاہک گائے کی قیمت بارہ دینار دیتا ہے۔ ماں نے کہا بیٹا جو گاہک تیرے پاس آیا ہے وہ کوئی آدمی نہیں بلکہ وہ فرشتہ ہے اور ماں کی اطاعت میں تیرا امتحان لیتا ہے جب وہ آئے تو اس سے گائے کو بیچنے کی بابت مشورہ حاصل کر اگر وہ کہے تو اس کو بیچ ڈال اور اگر وہ کہے ابھی مت بیچ تو نہ بیچنا۔ جوان نے فرشتہ کو جو اس کی ماں نے کہا تھا بتایا فرشتہ نے کہا گائے کو لے جا اور اپنی ماں کو کہہ کہ ابھی گائے اپنے پاس رکھے اس لئے کہ اس کو موسیٰ ابن عمران خریدے گا بنی اسرائیل کے ایک مقتول کے قاتل کا پتہ لینے کے لئے جب وہ خریدنے لگیں آئے تو اس گائے کی قیمت میں اتنا سونا لینا جتنا اس کی کھال میں آئے۔ انہوں نے گائے کو اپنے پاس رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر گائے کا ذبح کرنا فرض کیا پس وہ گائے کی صفتیں پوچھنے لگے یہاں تک کہ ان کو اس گائے کی صفتیں بتائی گئیں تاکہ ماں کی خدمت کرنے والے جوان کو اس کی خدمت اور نیکی کا اپنی رحمت اور فضل سے انعام دے۔ قرآن میں یہ قصہ سورۃ بنی اسرائیل میں ادع لنا ربک یبین لنا ما ھی سے شروع کرکے اخیر تک بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل نے ایسی گائے کو جب تلاش کرنا شروع کیا تو اس جوان کے پاس پایا اور اس سے انہوں نے گائے کی کھال کے برابر سونا دے کر خریدی پھر اس کو ذبح کیا اور اس کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کو مارا تو مقتول زندہ ہو گیا۔ اور اس کی رگوں سے خون بہ رہا تھا۔ اس نے اپنا قاتل بتایا اور مر گیا اس واقعہ کے بعد سے اللہ تعالیٰ نے قاتل پر مقتول کی میراث حرام کر دی۔ حدیث میں آیا ہے صاحب بقرہ کے بعد کوئی قاتل وارث نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کرنے کے بعد فرمایا کذالک یحی اللہ الموتیٰ اللہ ایسے ہی مردوں کو زندہ کرے گا جیسے اس نے مقتول عامل کو زندہ کیا اور وہ تم کو اپنی آیات قدرت دکھاتا ہے کہ تم سمجھو یا تم اپنے نفسوں کو گناہوں سے باز رکھو۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر تو ابراہیم نے فوراً اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل ذبح کرنے کے لئے لٹایا اور حلق پر چھری چلائی اور جب بنی اسرائیل کو ذبح کا حکم ہوا تو قرآن میں فرمایا: قریب نہیں تھا کہ وہ گائے کو ذبح کریں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تمام مال سے دست بردار ہوئے اور ثعلبہ نے زکوٰۃ ادا کرنے میں بھی بخل کیا۔ حاتم نے اپنے حضر اور سفر میں سخاوت کی اور حباحب نے اپنی آگ کی روشنی میں بھی بخل کیا اللھم وفقنا یا رب العلمین ۝

(انجم وزیر آبادی جماعتی لاہور)

دو عالم ہویدا ز نورِ محمدؐ!
ہمہ این و آں از ظہورِ محمدؐ!

ببیں انبیا صف بصف ایستادہ
بہ معراج حضرت حضورِ محمدؐ

زمین و فلک مستفید است یکساں
ز فیضِ محمدؐ ز نورِ محمدؐ

اگر کوہِ سینا بود طورِ موسیٰ
شدہ آسماں بہرِ طورِ محمدؐ

مطیع و مؤدب، مہذب، دلاور
ہمہ طالبان غیورِ محمدؐ

زمین و زماں مست و مخمور باشد
بہ جرعہ ز جامِ طہورِ محمدؐ

نگاہے براو روزِ محشر نگاہے
ہمیں عرضِ انجم حضورِ محمدؐ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(از انجم وزیر آبادی لاہور)

بہ ہر اوج ثبت است نامِ محمدؐ
ببیں شانِ پاکِ قیامِ محمدؐ

منم از تہِ دل غلامِ محمدؐ!
بہ لوحِ دلم کندہ نامِ محمدؐ!

کلامِ خدا و پیامِ خدا ہست
کلامِ محمدؐ، پیامِ محمدؐ

فضائے زمین و زماں شد معطر
خوشا گیسوئے مشک فامِ محمدؐ

نیابد رہِ معرفت را نیابد
نباشد کسے گر غلامِ محمدؐ

شود در بہشت بریں حوضِ کوثر
شرابے کہ ریزد ز جامِ محمدؐ

ہمہ انبیاء صف بہ صف ایستادہ
بہ معراج بیں احترامِ محمدؐ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مولٰنا حافظ نواب الدین صاحب علی پوری

سماع و غنا و آلات لہو و لعب

—— قسط نمبر (۲) ——

فتاوی بیہقی میں منقول ہے :

التغنی واستماعہ وضرب الدف و جمیع انواع الملاہی حرام ومستحلہا کافر ھدی اللہ تعالی الزہاد والجہلۃ الذین ابتلوا بہ خیف علیہم الکفر۔

یعنی راگ اور سننا اس کا اور دف بجانا اور کھیل ہر طرح کا حرام ہے اور جو ان چیزوں کو حلال جانے وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ زاہدوں اور جاہلوں کو ہدایت دے کہ زاہد اور جاہل غنا اور راگ اور غیر مشروع سماع میں اور مزامیر و معازف میں مبتلا ہیں۔ ان کے حق میں کفر کا خوف ہے (العیاذ باللہ)

وفی الفتاوی عالمگیریہ —— عن جواہر الفتاوی

قال السماع والقول والرقص الذی یعملہ الصوفیۃ فی زماننا حرام لا یجوز القصد الیہ : والجلوس علیہ وھو الغناء والمزامیر سواء"۔

فتاوی عالمگیری میں ہے جواہر الفتاوی کے حوالہ سے کہ : سماع اور وجد جو معمول ہے ہمارے زمانہ کے صوفیہ کا حرام ہے اس کا قصد بھی نہ کرنا چاہیے اور نہ وہاں بیٹھنا چاہیے۔ اور گانا اور مزامیر حرمت میں برابر ہیں۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے :

لعن اللہ المغنی والمغنی لہ

یعنے اللہ تعالےٰ نے گانے والے اور اس کے سننے والے پر لعنت کی ہے۔

خطیب بغدادی اور طبرانی نے روایت کی ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غنا اور اس کے سننے سے سنن الہدیٰ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے :

نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الغناء والاستماع الی الغناء۔

"منع فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے گانے اور اس کی طرف کان لگانے سے"

حدیث میں آیا ہے :

الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء النبات"

گانا نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی سبزی پیدا کرتا ہے"

احیاء العلوم میں معاذ ابن جبل سے روایت کی گئی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا کہ اسلام نے لھو اور باطل اور غنا کو رد فرمایا ہے۔ باطل سے کفر و شرک اور لھو سے کھیل کود تماشے وغیرہ اور غنا سے گانا مراد ہے۔

طبرانی میں بروایت امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے:

الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء المزرع۔ یعنے گانا نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے"

حقائق میں ہے عجز و الغناء والاستماع الیہ حرام۔ صرف گانا اور اسکا سننا حرام ہے

مضمرات میں منقول ہے: جس نے راگ کو مباح کہا۔ وہ فاسق ہوا۔ اختیار میں ہے: راگ گانا تمام ادیان میں کبیرہ گناہ ہے۔ محیط میں ہے:

التغنی والتصفیق والاستماعہا کل ذالک حرام و مستحلہا کافر" ۔ گانا اور تالی بجانا اور اسکا سننا یہ سب حرام ہے اور اس کے جواز کا قائل کافر ہے۔

در المعانی میں ہے کہ لہو الحدیث سے مراد غنا اور مزامیر ہے کشاف میں مذکور ہے: لہو الحدیث سے مراد گانا اور موسیقی کی تعلیم دینا ہے۔ ایسا ہی مغنی و دیگر کتب میں ہے جو متداول بین العلماء ہیں، لکھا ہے کہ:

"غنا اور مزامیر کی حرمت منصوص علیہ ہے اور اس کو حلال کہنے والا کافر ہے۔"

تفسیر نعیمی میں منقول ہے کہ لہو الحدیث غنا راگ سماع اور بجانا بربط اور دف اور ستار اور طنبورہ ہے اور یہ تمام نص مذکورہ سے ممنوع ہیں۔ اور مستحل کافر ہے۔

حق تعالیٰ نے غنا کو قرآن پاک میں لہو الحدیث سے تعبیر کیا اور لہو ما سوا اقسام ثلثہ کے حرام ہے اور یہ حرمت قرآن مجید اور حدیث پاک سے ثابت ہے۔ فرمایا اللہ تعالےٰ نے:

افحسبتم انما خلقنکم عبثاً:
کیا تم نے گمان کیا کہ ہم نے تمہیں عبث یعنے بے فائدہ پیدا کیا ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کل شئی یلھو بہ الرجل باطل الا رمیہ بقوسہ وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ امراتہ من الحق رواہ الترمذی و ابن ماجہ والدارمی۔

ہر چیز جس کے ساتھ آدمی کھیلتا ہے باطل ہے سوا اس کی رمی کے جو اپنی کمان سے کرتا ہے اور گھوڑے کی تادیب کے اور اپنی عورت کے ساتھ ملاعبت کرنے کے، اور بے شک یہ تینوں چیزیں حق ہیں۔

اور اباحیہ کا قول لہو اور غنا اور مزامیر کی حلت کا بالکل باطل اور مردود ہے۔ اس لئے کہ جب لہو الحدیث کی تفسیر جملہ اکابر مفسرین نے غنا کے ساتھ فرمائی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر تفصیل سے ذکر کیا ہے تو پھر ان کے خلاف یہ کہنا کہ غنا حلال ہے۔ خرق اجماع اور جماعت کی راہ ہدیٰ کا چھوڑنا اور ضلالت کی راہ کا اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے۔

جامع الترمذی جلد ثانی مطبع نولکشور ص ۳۹۲ میں ہے:

لاتبیعوا القینات ولا تشتروھن ولا تعلموھن ولا خیر فی تجارۃ فیھن و ثمنھن حرام وفی مثل ھذا انزلت ھذہ الاٰیۃ ومن الناس من یشتری لھوا الحدیث لیضل عن سبیل اللہ الی آخر

الآیتہ - یعنے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے، "تم گانے والی لونڈیوں کو نہ بیچو اور نہ خریدو" اور نہ ان کو گانا سکھاؤ - ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور ان کا ثمن حرام ہے انہیں کے حق میں آیتہ و من الناس من یشتری لھو الحدیث الخ نازل ہوئی -

آلات مزامیر اور غنا کی حرمت میں بہت حدیثیں روایت کی گئی ہیں مگر دف کہ اس کی اباحت مجالس نکاح وغیرہ میں ثابت ہے - صحیح بخاری میں بطور تعلیق کے مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو ریشم اور شراب اور معازف کو حلال جانیں گے"

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ میری امت میں لوگ شراب اس کا نام بدل کر پئیں گے اور ان کے سامنے معازف بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی اللہ تعالےٰ ان کو زمین میں غرق کرے گا - اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر کی شکل میں مسخ کر دے گا -

جامع ترمذی میں ہے "میری امت میں خسف بھی ہوگا اور مسخ بھی جب آخر زمانہ میں گانے والیوں اور معازف آلات لہو لعب کا ظہور ہوگا -

مسند احمد میں مروی ہے: ان اللہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ -

مسند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے: یمسخ قوم من ھذہ الامۃ فی اخر الزمان قردۃ وخنازیر قالوا یا رسول اللہ الیس یشھدون ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ

قال بلی ویصومون ویحجون ویصلون قیل فما بالھم قال اتخذوا المعازف والقینات - بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوا اور کوبہ حرام فرمایا۔

مسند ابن ابی الدنیا میں ہے کہ اس امت سے آخیر زمانہ میں کچھ لوگوں کی صورتیں بندروں اور خنزیروں کی صورت پر ہو جائیں گی - صحابہ نے عرض کی کیا یا رسول اللہ وہ مسلمان نہیں ہوں گے - آپ نے فرمایا: کیوں نہیں وہ روزہ رکھیں گے اور حج کریں گے اور نمازیں پڑھیں گے عرض کی گئی پھر ان کا کیا حال ہوگا جس کے سبب ان کی شکلیں مسخ ہو جائیں گی - آپ نے فرمایا: وہ لوگ آلات لہو و لعب اور گانے والی عورتوں میں مصروف ہو جائیں گے -

(باقی - باقی)

انوار القرآن

گذشتہ سے پیوستہ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم اس کے عذاب سے بچو جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لئے انواع واقسام کے میوے پیدا کیے پس کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے ہو

تفسیر ترجمہ جلالین

اے لوگو! یعنی اے اہل مکہ! تم عبادت کرو، یعنی اس کو ایک مانو۔ جو تمہارا پروردگار ہے۔ جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے پیدا ہوئے شاید تم بچو اس کے عذاب سے اسکی عبادت کے ساتھ،

لعل اصل میں ترجی یعنے امید کے معنے میں استعمال کرنے کے لئے ہے مگر اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحقیق اور یقین کے معنے میں ہوتا ہے۔

"جس نے پیدا کیا تمہارے لیے زمین کو بچھونا"

فراشًا — جس کے معنی بچھونا کے ہیں، زمین سے حال ہے یعنے اس کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ تمہارے قدموں کے نیچے بچھونا ہے۔ نہ اس کی سختی کی نہایت ہے اور نہ اس کی نرمی کی کہ اس پر استقرار اور ٹھہرنا ممکن نہ ہو۔ (یعنے اگر زمین نہایت سخت ہوتی تو اس میں نہ نہریں اور کنوئیں کھودے جا سکتے تھے اور نہ سڑکیں بن سکتی تھیں۔ زمینداروں کے لئے اس میں ہل چلانا اور زمین کا نرم کرنا اور اس میں تخم ریزی کرنا اور پھر اس کا اگنا

سب ناممکن ہو جاتا - یہ بوجھ کو نہ سہارتی جو چیز اس کے اوپر آتی وہ اس میں غرق ہو جاتی -

اللہ تعالےٰ نے اپنی صنعتِ کاملہ سے اس کو نہ نہایت سخت بنایا اور نہ نہایت نرم ، اور بنایا آسمان کو چھت - قرآن کے لفظ بناءً کا ترجمہ سقف : (چھت) کیا گیا ہے یعنے آسمان ہمارے سروں کے اوپر اس طرح قائم ہے جس طرح مکان کی چھت ہوتی ہے - جب زمین کو فرش بنایا تو آسمان جو اس کے مقابل ہے اس کو چھت کہنا ہی مناسب تھا -

بعض بزرگوں نے اس دنیا کو ایک مکان کیساتھ تشبیہ دی ہے اس طرح کہ زمین فرش ہے ، اور آسمان چھت - شمال و جنوب ، مشرق و مغرب چاروں سمتیں اس کی چار دیواریں ہیں اور آسمان کے ستارے اور چاند سورج اس کی روشنی کے لئے قندیلیں ، اور چراغ ہیں - اس گھر کا مالک رب العالمین ہے - چند ایام کے لئے جو عمر فانی ہے بنی آدم کو یہ گھر سونپا ہے) اور اتارا آسمان سے پانی کو پھر نکالا اس کے ساتھ طرح طرح کے پھلوں کو تمہارے رزق کے لئے کہ تم کھاؤ ، اور اپنے مویشیوں کو چارہ ڈالو : پس تم نہ کرو اللہ کے لئے شریک :

انداد کے معنی شرکاء کے کئے گئے (اور یہ لفظ جمع ہے : واحد اس کا ند ہے - اور ند کے معنی مثل کے ہیں - مطلب یہ ہے کہ ایک اللہ ہی عبادت کے لائق ہے جس نے تمہارے لئے زمین اور آسمان پیدا کیا اور پھر تمہارے لئے رزق کو زمین سے اگانے کے لئے ، آسمان سے پانی یعنے مینہ برسایا - اب تمہارے لئے لائق نہیں ہے کہ تم اپنے محسنِ عظیم کے برابر یا اس کا ہمسر اس کے غیر کو قرار دے کر اس کی عبادت اور بندگی میں لگ جاؤ -

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے :

"تم یہ نہ کہو کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو مجھ کو یہ مصیبت یا تنگی نہ پہنچتی ، اور یہ نہ کہو کہ اگر ہمارے دروازے پر کتا نہ بھونکتا تو چور ہمارا سامان چوری کر کے لے جاتے اس لئے کہ ایسا کہنا بھی شرک ہے - اور تم جانتے ہو کہ اللہ ہی خالق ہے اور تمہارے بت خالق نہیں اور معبود وہی ہوتا ہے جو خالق ہے جس میں خلق کی قوت نہیں وہ ہرگز معبود نہیں ہو سکتا -"

بقیہ - اخبار و احوال

ڈاک فوراً ارسال کریں اس لئے کہ رسالہ کی اشاعت کے اخراجات بہت گراں ہو گئے ہیں کئی رسالوں نے تو اپنے صفحات میں بھی کمی کر دی ہے یا سالانہ چندہ زیادہ کر دیا ہے اس لئے کہ کاغذ کی پاکستان میں بڑی قلت ہو گئی ہے - نیوز پرنٹ پرمٹ پر ملتا ہے اور دوسرا غیر ملکی سفید کاغذ بہت مہنگا ہے اور کتابت کی اجرت بھی پہلے سے زیادہ ادا کرنی پڑتی ہے - ان حالات میں ہمارے قارئین کو چندہ ارسال کرنے میں تساہل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ امداد کے طور پر زائد رقم ارسال کرنی چاہیئے -

---

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

شاعر حقیقت بیان الحاج میاں نور محمد خالدی نقشبندی۔ مجددی۔ جماعتی القادری مغلپورہ۔ لاہور (ریلوے کالونی)

پیامِ بیداری

شان اسلامی تری اب تجھ سے رخصت ہو گئی!
جو نہ ہونی تھی کبھی وہ تیری حالت ہو گئی!

بھائی بھائی کا عدو ہے دوست دشمن سے سوا
اڑ گئی بوئے وفا مفقود الفت ہو گئی

بھولا بیٹھا ہے جسے پھر یاد کر پھر یاد کر
کیا ہوئی تیری جمعیت کیا وہ غیرت ہو گئی

پرورش پائی تھی تو نے آتشِ نمرود میں
تجھ کو شانِ آذری سے کیوں محبت ہو گئی

یاد ہے وہ شانِ ذاتِ رحمۃ اللعلمیں
سارے عالم کے لئے جو ابرِ رحمت ہو گئی

کب رہا دل میں ترے صدق و یقیں صدیق کا
ہو گیا ایمان ناقص ضائع عظمت ہو گئی

داستاں بھولا ہے تو شاید عمر فاروق کی
کیا ہوئی وہ شان و شوکت کیا وہ ہیبت ہو گئی

کھو دی جو دولت ملی تھی حضرت عثمان سے
دُور تجھ سے اس لئے دنیا کی دولت ہو گئی

چھوڑ بیٹھا ہاتھ سے واللہ دامانِ علی
اس لئے اب تیری کچھ کمزور ہمت ہو گئی

جب سے تو نے چھوڑ دی تقلیدِ امام کربلا
تجھ سے یوں مفقود دنیا کی امامت ہو گئی

بیچتا پھرتا ہے دولت کے لئے اپنا ضمیر
تجھ کو ایماں سے فزوں قاروں کی دولت ہو گئی

جس قدر تو رو سکے رو، ہے یہی مُعمّم البدل
ہاں سنا ہے تجھکو اب ہنسنے سے فرصت ہو گئی

چھوڑ دیں تو نے روایاتِ کہن اجداد کی
غرق یوں عزت تری قعرِ مذلت ہو گئی

اپنی کمزوری کا تجھ کو آج کیوں احساس ہے
جس قدر طاقت تھی وہ صرفِ کدورت ہو گئی

آذرا دکھلا دے پھر وہ شانِ اسلافِ کہن!
جذبۂ قومی تری کیوں پست ہمت ہو گئی

نام و ننگِ قوم پر مٹ جا مٹا دے زندگی
زندگی کیا زندگی جو مفت لعنت ہو گئی

چاہتا ہے دہر میں جو خود اپنی زندگی
اب بھی ہو ہشیار جو ہونی تھی غفلت ہو گئی

اخبار و احوال آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف

عظیم المرتبت شمس الملت حضرت مولانا الحاج حافظ پیر سید نور حسین شاہ صاحب کراچی اور عارف والا کے دورۂ تبلیغی سے آستانہ عالیہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ آپ کی صحت اچھی ہے۔ عالیجناب حضرت جوہر الملت مولانا حافظ پیر سید اختر حسین شاہ صاحب و حضرت مولانا پیر سید انور حسین شاہ صاحب و حضرت مولانا پیر سید نذر حسین شاہ صاحب و حضرت مولانا پیر سید بشیر حسین شاہ صاحب و دیگر تمام حضرات بخیر و عافیت آستانہ شریف میں تشریف فرما ہیں۔ عالی جناب حضرت مولانا معین الملت پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب مدینہ منورہ تشریف فرما ہیں: امید ہے اپریل میں مراجعت فرمائے وطن ہوں گے۔ آپ وہاں بخیر و عافیت ہیں اگر کسی نے خط لکھنا ہو تو اس پتہ پر لکھیں ص ب ۹۲ مدینۃ المنورہ سعودی عرب — آگے آپ کا اسم گرامی بمع القاب لکھا جائے۔

ارتحال

چوہدری الحاج محمد اقبال صاحب وکیل ۲ رمضان المبارک مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۷۱ء بروز بدھ بوقت ۹ بجے صبح بقضائے الٰہی اس جہان فانی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ مرحوم دیرینہ پیر بھائی اور صوم و صلوٰۃ اور تہجد کے پابند اور نہایت صالح مرنجاں مرنج انسان تھے۔

بابو غلام حسین صاحب کوہاٹ والے جن کے مکان پر شروع سے ذکر ہوتا ہے بقضائے الٰہی فوت ہو گئے ہیں۔

محب خاں سکنہ گڑھی معروف خاں کوہاٹ ایک دیرینہ یار طریقت تھے۔ کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۱۲/۱۲ کو بقضائے الٰہی فوت ہو گئے۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ جملہ قارئین رسالہ سے استدعا ہے کہ مرحومین کے لئے دعائے استغفار کریں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

دعائے صحت

ماہنامہ انوار الصوفیہ کے سرپرست اور حضرت صاحب قبلہ عالم شمس الملت مدظلہ العالی کے خلیفۂ مجاز حضرت شیخ الحاج کرم الٰہی صاحب بمبے ہاؤس انارکلی والے کئی مہینوں سے بیمار ہیں۔ طبیعت میں نقاہت بہت آ گئی ہے جملہ یارانِ طریقت سے استدعا ہے کہ ان کے لئے صحت و شفا کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب کو بہت جلد اپنے حبیب کا صدقہ صحت عطا کرے۔ آمین!

اطلاع

جن حضرات کا اس ماہ سالانہ چندہ ختم ہو رہا ہے اور ان کے رسالہ کے باہر صفحہ نمبر ۳ پر گول دائرہ میں سرخ نشان برائے اطلاع ہے۔ بغیر تاخیر اور توقف کے مبلغ پانچ روپیہ سالانہ چندہ بذریعہ

میجر صاحب کے چھ سوالوں کا جواب

کنجاہ ضلع گجرات

مؤرخہ ۱۶ / دسمبر ۱۹۷۱ء

مکرمی و محترمی جناب غلام رسول صاحب گوہر

ایڈیٹر انوار الصوفیہ

السلام علیکم - مزاج شریف

رسالہ انوار الصوفیہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۷۱ء پڑھا ———

صفحہ ۲ پر حضور امیر ملت کی تاریخ پیدائش سنہ ۱۸۴۷ء درج ہے اور صفحہ ۲۵ پر تاریخ وفات سنہ ۱۹۵۱ء درج کر کے کل عمر ۱۱۸ سال بتائی گئی ہے - یہ کیسے ممکن ہوا؟ میں آپ کی توجہ رسالہ انوار الصوفیہ ماہ اکتوبر و نومبر سنہ ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۰ سطر ۱۴ کی طرف دلانا چاہتا ہوں جہاں حضور امیر ملت کی تاریخ پیدائش سنہ ۱۸۳۴ء بتائی گئی ہے اور پھر اسی کے صفحہ ۲۲ پر تاریخ وفات سنہ ۱۹۵۱ء لکھ کر کل عمر ۱۱۹ سال بتائی گئی ہے - یہ بھی صحیح نہیں ہوسکتی - اسی رسالہ کے (اکتوبر و نومبر ۱۹۶۸ء) صفحہ ۳۱ پر یہ درج ہے کہ ۱۲۰ برس کی مقدس عمر میں آپ کا وصال ہوا - برائے کرم پوری تحقیق کے بعد صحیح تاریخ پیدائش سے مطلع کریں -

رسالہ انوار الصوفیہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۷۱ء کے صفحہ ۲۶ پر "چند قابل توجہ مسائل" کا ذکر کیا گیا ہے - میرے ایک دوست نے چند ایک پر اعتراض کیا ہے - برائے کرم حدیث سے ثابت کریں -

۱- داڑھی کی مقدار

داڑھی رکھنا سنّت ہے - حدیث میں آتا ہے کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں منڈاؤ - حد شرع (ایک مُشت) کا جو ذکر کیا گیا ہے - اس کے متعلق حدیث سے ثابت کریں کہ حد شرع ایک مشت ہے -

۲- مسجد میں اذان

مینار یا مسجد سے باہر اذان دینے کا مقصد یہی تھا کہ علاقہ میں زیادہ سے زیادہ اشخاص اذان سن سکیں اور مسجد میں پہنچ جاویں - اب سائنس کی ایجاد لاؤڈ سپیکر نے ان دو ترکیبوں کا نعم البدل مہیا کر دیا ہے -

کیا لاؤڈ سپیکر کا استعمال مکروہ ہے؟ اگر ایسا نہیں تو اس طریق سے زیادہ مسلمان اذان سن سکتے ہیں برائے کرم حدیث سے ثابت کریں -

۳۔ تکبیر بیٹھ کر سُننا | تکبیر کھڑے ہو کر سننا آپ نے مکروہ تحریر فرمایا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ رضؓ جب جماعت کے لئے کھڑے ہوتے تو مقتدیوں کی طرف منہ پھیر کر صفیں درست کراتے اور پھر مکبر کو تکبیر کا حکم دیتے۔ آپ حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

۴۔ ریل میں نماز | اونٹ اور گھوڑے پر اکثر نمازیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و صحابہ رضؓ نے ادا کی ہیں آپ ان کا موازنہ ریل کی نماز سے کس طرح کرتے ہیں۔ براہِ کرم وضاحت فرما دیں:

۵۔ لڑکیوں کو لکھنا ہرگز نہ سکھاؤ | ایک طرف تو آپ نے لڑکیوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع قرار دیا ہے لیکن اسی رسالہ کے صفحہ ۴۳ پر صفیہ قادری بی۔ اے کا مضمون "دین و دانش" شائع کیا ہے جو اس نیک خاتون کی دین سے وابستگی کا بیّن ثبوت ہے۔

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ گفتگو جو کچھ ہے۔ یہ ہے کہ موجودہ دور کی تعلیم و تربیت سے متمتع ہو کر ایک مسلمان عورت مذہب اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں، یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں۔ جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے اختلاف ہے۔ وہ اس شبہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور کے تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کئے ہیں۔ ان سے بھی اس شبہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لئے کوئی عمدہ نمونہ قائم نہیں کیا ہے لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے مسلمان عورت کا بہترین اور اصل نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے۔ یورپین تمدن اور یورپین طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزار ہیں۔ اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خاتون کا نمونہ پیش کر دیا جائے تو ان کی فطرتی لچک ان سے اور بھی زیادہ متاثر ہو گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق۔ اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

یہاں میں یہ عرض بھی کر دوں کہ لکھنا بہت سی صحابیات جانتی تھیں۔ چنانچہ شفا بنت عبداللہ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے۔ شفاء رضؓ کے علاوہ حضرت حفصہ رضؓ و ام کلثوم رضؓ بنت عقبہ اور کریمہ بنت المقداد بھی لکھنا جانتی تھیں۔

۶۔ "اللہ میاں" نہ کہو | آپ کا ارشاد بجا لیکن اسی رسالہ (نومبر ۱۹۷۱ء) کے صفحہ ۳۳ پیراگراف ۲۰ سطر ۶ میں یہی الفاظ (اللہ میاں) خود دہرا دیئے۔ محمد اقبال قریشی صاحب ہارون آباد کا مضمون چھاپتے وقت آپ یہ بھول گئے کہ انہیں الفاظ کو صفحہ ۲۹ پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

براہِ کرم ان سوالات کے جوابات مفصل بحوالہ حدیث اگلی اشاعت رسالہ انوار الصوفیہ میں ضرور دیں۔

آپ کا مخلص

عبدالرشید ہیڈ ماسٹر — کنجاہ ضلع گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم جواب الاستفتاء نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مکرم و محترم جناب میجر صاحب - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے سوالات کا جواب تحریر کرنے سے قبل بطور تمہید کے ایک گزارش عرض خدمت ہے اور وہ یہ ہے کہ رسالہ انوار الصوفیہ کسی ایک آدمی کی تصنیف نہیں کہ اس کے مضامین کے تضاد پر اعتراض کیا جائے۔ اس کے مؤلفین و مصنفین جدا جدا ہوتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنے علم کی بنا پر لکھنا ہوتا ہے۔

حضرت امیر ملت کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا اختلاف کسی ایک لکھنے والے کی طرف منسوب نہیں اگر یہ اختلاف ایک ہی آدمی کے مضمون میں پیدا ہوتا تو اس آدمی سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تمہاری تحریر میں تضاد کیوں ہے جن رسالوں کا اور ان کے صفحات کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔ ان کے مؤلفین جدا جدا ہوں گے۔ انہوں نے جو لکھا اپنے قیاس اور گمان سے لکھا۔ تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا ان کو تو صحیح علم نہیں ہے۔ اگر اس کا صحیح علم ہے تو صرف حضرت جوہر الملت پیر سید اختر حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی کو ہوگا جو حضرت امیر ملت کی سوانح حیات مرتب کر رہے ہیں۔ ایڈیٹر کا کام تو صرف اتنا ہے کہ جو مضمون اس کو پہنچے اگر اس میں شرعی نقطۂ نگاہ سے کوئی خامی نہیں ہے تو اس کو شائع کر دے ورنہ اس کی اصلاح کرے یا اس کو مسترد کر دے۔ تاریخوں کا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کی بنا پر صاحب مضمون کا مضمون شائع نہ کیا جائے، یہ اختلاف صرف حضرت امیر ملت رضی اللہ عنہ کی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ ہمارے اسلاف کی سوانح حیات میں بھی یہ اختلاف موجود ہے۔ خود سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں کئی ایک مؤرخین کے نزدیک اختلاف ہے۔ اگرچہ مشہور ۱۲ ربیع الاول ہے لیکن بعض کے نزدیک ۹ ربیع الاول اور ۵ ربیع الاول اور ۱۰ ربیع الاول بھی ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے چند قابل توجہ مسائل

میں آپ کے دوست کا اعتراض بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ وہ مسائل اہل اسلام خصوصاً اہل سنت و جماعت کے مسلمہ عالم جنکو مجدد مائۃ حاضرہ اور فاضل بریلوی کہا جاتا ہے۔ ہند و پاک کے جملہ اعاظم علماء اہل سنت و جماعت اور اکابر مشائخ ان کی علمی کاوش اور تحقیقی تفکرات پر اعتماد کرتے ہوئے انکی تصانیف کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں اور ان کا قول بغیر کسی دلیل کے اہل سنت و جماعت کے عوام و خواص میں قبول ہے لہٰذا اس وجہ سے ان کے بیان کئے ہوئے کسی مسئلہ پر کسی شخص کو جسکا سرمایۂ علمی ان سے بہت کم اور اس کا دائرہ تحقیق نہایت محدود ہے، اعتراض زیب نہیں دیتا۔ بہرحال ہم محض افہام و تفہیم کی بنا پر اپنی استعداد کے اندازے سے ذیل میں اتنا ہی گزارش کریں گے جتنا پوچھا گیا ہے واللہ المستعان علی ما تسئلون ؛

آپ کے دوست کا قول | داڑھی رکھنا سنت ہے،

حدیث میں آتا ہے کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں منڈواؤ حد شرع ایک مشت کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق حدیث سے ثابت کریں کہ حد شرع ایک مشت ہے۔

جواب ھو الموفق للصواب

جواب سے قبل چند گزارشات بطور مقدمہ اور تمہید کے عرض کروں گا: آپ کے دوست کو چاہیئے کہ وہ ذرا غور سے سُنے!

رب تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا: فعتبروا یاولی الابصار: اے اہل بصیرت غور سے کام کیا کرو، ہمارے دین کے مسائل اور ان کے احکام کا انحصار اور دار و مدار صرف حدیث یا صرف قرآن پر ہی نہیں کہ ہم اس بات کے مکلف ہوں کہ ہر بات اور ہر مسئلہ کو ہم قرآن شریف یا حدیث نبوی سے ثابت کریں اگر دین کا انحصار صرف ان ہی دو میں سے کسی ایک یا صرف ان دو پر ہی ہوتا تو آج ہمارے بہت سے مسائل جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہیں دین سے خارج سمجھے جاتے۔ حالانکہ آج تک کوئی بھی مسلمان ان کے دین سے نہ ہونے کا قائل نہیں اور امید ہے آپ کے دوست صاحب بھی اس کے قائل نہیں ہوں گے۔ جنہوں نے دینی و دنیوی مسائل کے لئے صرف قرآن کو دلیل گردانا۔ وہ اہل قرآن کے نام سے مشہور ہوئے ان کا کہنا ہے کہ وہی بات قابل تصدیق و تسلیم ہے جو قرآن سے ثابت ہو، وہ داڑھی کے بڑھانے یا یک مشت تک طوالت میں اسکی حدبندی کرنے کے لئے قرآنی آیت کا سوال کرتے ہیں کہ قرآن کی کون سی آیت میں ہے کہ تم داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ جب قرآن اس سے خاموش ہے تو کسی حدیث کی (جو نا قابل تسلیم ہے) اتباع کر کے ہم کیوں داڑھیاں رکھنے کی زحمت اٹھائیں۔

آپ کے دوست صاحب تو ان سے وسیع القلب ہیں، انہوں نے ہم سے اس کے اثبات کے لئے قرآنی آیت کا سوال نہیں کیا حالانکہ وہ قرآن پر مقدم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دوست قرآن کے ساتھ حدیث کو مانتا ہے اور پکا مسلمان ہے۔ زیادہ سے زیادہ اہل حدیث ہوگا اور تو کچھ نہیں ہو سکتا جو حدیث کو مانتا ہے وہ قرآن کو بھی مانتا ہے۔ اس سے آگے اگر وہ اجماع امت اور مجتہدین کے اجتہادات و قیاسات کو بھی دین کے لئے حجت قرار دیتا ہے تو ہمارا بھائی اہل سنت و جماعت ہے ورنہ غیر مقلد یا عامل بالحدیث ہے۔

اہل قرآن کو داڑھی کا مسئلہ قرآن سے منوانا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے لیکن عامل بالحدیث کا حدیث کے توسط سے منوانا بڑا سہل اور آسان ہے انشاء اللہ ہم آپ کے دوست کی اس کے مذہب کے مطابق حدیث سے منوائیں گے کہ داڑھی کا ایک مشت یا ایک قبضہ سے کم منڈوانا حرام اور ممنوع ہے اور اس سے زائد کٹوانا جائز اور مباح ہے۔ اباحت و منع کے مابین برزخ اور حد فاصل ایک قبضہ ہے اس سے ادھر ٹھوڑی کی جانب منع ہے اور اس سے آگے نیچے کی طرف جواز و اباحت ہے: لیکن ہمارے نزدیک ادلہ شرعیہ چار ہیں جن سے ہم احکام ثابت کرتے ہیں ان میں سے کسی سے کوئی حکم منعًا یا اثباتًا ثابت ہو جائے تو ہم اہل سنت و جماعت خصوصاً احناف

کے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے جیسا کہ نورالانوار صد ۲ میں اعلم ان اصول الشرع ثلثة "جان کہ شرع کے اصول تین ہیں کتاب، سنت اور اجماع امت۔"

الکتاب والسنة واجماع الامة

کتاب سے مراد قرآن پاک کا وہ حصہ ہے۔ جو احکام شرع کو شامل ہے اور وہ قریباً تین ہزار آیات ہیں اور قرآن کا باقی حصہ قصص وغیرہ پر شامل ہے اور سنت سے حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰة والسلام کی حدیث پاک کا وہ حصہ مراد ہے جو احکام کو محیط ہے اور وہ بھی تین ہزار حدیثوں کے قریب ہے اور اجماع سے مراد اجماع امت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے عام اس سے کہ وہ اہل مدینہ کا اجماع ہو یا اہل مکہ کا یا عترت رسول یا اجماع صحابہ یا ان کے غیر کا اجماع ہو۔ نورالانوار کے حاشیہ پر ہے:

بل اجماع مجتھدی امة محمد
صلی اللہ علیہ وسلم اذ الاجماع
اتفاق مجتھدی العصر علی حکم الدین

بلکہ امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا اجماع بھی مراد ہے اس لئے کہ کسی زمانہ کے مجتہدین کا دین کے کسی حکم پر اتفاق اجماع ہے۔

والاصل الرابع القیاس اور چوتھا اصل یا دلیل شرعی قیاس ہے۔ قیاس سے وہ قیاس مراد ہے جو قرآن اور حدیث اور اجماع سے مستنبط و مستفاد ہو۔ ہم مسلمانوں کے لئے جو بھی حکم ان چاروں سے یا ان چاروں میں سے کسی ایک سے ثابت ہوگا وہ قابل تسلیم اور لائق اعتنا و عمل ہوگا۔ بالفرض اگر کوئی بات قرآن مجید سے ثابت ہو جائے تو اس کو ماننے یا عمل کرنے کے لئے ہم سنت اور حدیث کے محتاج نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ حکم حدیث سے بھی ثابت ہو۔ اسی طرح جو حقیقت حدیث سے ثابت ہوگی اس کے بعد اجماع کی طرف اور جو اجماع سے ثابت ہوگی اس کے بعد قیاس کی طرف محتاج نہیں ہوں گے۔ ہمارے لئے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ یہ مسئلہ شریعت کے ان چاروں دلائل میں سے کسی ایک سے ثابت ہو جائے۔ جب ثابت ہو جائے تو ہماری ضرورت پوری ہو گئی اس کے بعد سوال کرنا بے سود ہے۔

اب آئیے ایک قبضہ کا مشروع ہونا۔ اس پر غور کریں۔

آپ کے دوست صاحب کم از کم اتنا تو جانتے ہیں اور ضرور جانتے ہیں کہ امت محمدیہ کے اکابر و اعاظم یہی فرماتے ہیں کہ ایک مشت سے جو بال داڑھی کے زائد نیچے طول میں لٹک رہے ہیں ان کا کاٹنا منع نہیں ہے اور اکثر علما سلفاً و خلفاً اس پر عامل رہے ہیں اور بہت سے بزرگوں کا اہل تصوف سے یہی عمل رہا ہے اور عالموں نے اپنی کتابوں اور تصنیفات میں یہی لکھا ہے۔ اگرچہ ایک مشت سے کوئی شخص زائد داڑھی رکھے تو مضائقہ نہیں۔ مگر علماء نے اپنے اجماع و اتفاق سے اس کے افادہ و تو فیر کی ایک حد بتا دی کہ وہ کم سے کم ایک مٹھی کے برابر ہو اور یہ حد اس لئے بتائی یا مقرر کی گئی کہ اتنے اندازے سے اہل کتاب سے مخالفت اور عدم تشبہہ محقق ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ داڑھیاں منڈوا دیتے تھے یا اتنی رکھتے تھے کہ مٹھی میں پکڑیں تو اس

میں نہ آئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

واقصوا الشوارب واعفوا اللحی

"تم مونچھیں کٹاؤ اور داڑھی بڑھاؤ"

یعنے اہل کتاب کی مخالفت کرو، آپ کی مراد اعفاء سے یہ نہیں کہ اسکو بے حد و غایت طول میں بڑھاتے جاؤ، اس لئے کہ داڑھی کا بڑھانا اپنے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ تو اتنی ہی بڑھے گی جتنی اللہ تعالیٰ بڑھائے گا۔ بعض لوگوں کی بہت بڑھتی ہے اور بعض کی کم؛ تو اس سے واضح ہوا کہ اعفاء اور توفیر لحیہ آدمی کے بس میں نہیں ہے اور جو کام آدمی کے بس میں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہیں دیتا جیسا کہ اس نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

"اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے خارج تکلیف نہیں دیتا"

اس اعتبار سے واعفوا کا امر اس کے بے حد و غایت بڑھانے کا امر نہیں ہے بلکہ اس حد تک بڑھانے کا حکم ہے جس میں مخالفین کی مخالفت متحقق ہو جائے

داڑھی کے بڑھانے اور مشرکین کے ساتھ مخالفت کرنے کی حدیث

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین او فروا اللحی واحفوا الشوارب و فی روایۃ انھکوا الشوارب واعفوا اللحی

(متفق علیہ، مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مشرکوں کی مخالفت کرو: داڑھیوں کو زیادہ کرو اور مونچھوں کو کٹاؤ: ایک روایت میں انھکوا الشوارب اور واعفوا اللحی آیا ہے۔ معنی دونوں کے قریب قریب ہیں"

حدیث مذکور میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم مسلمانوں کو حکم فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو داڑھی بڑھانے یا زیادہ کرنے میں اور مونچھیں کٹانے میں یعنی داڑھی کا بڑھانا یا زیادہ کرنا اس انداز سے ہو کہ اس میں مشرکوں کی مخالفت پائی جائے اور وہ ایک مٹھی کے برابر داڑھی بڑھانے میں متحقق ہو جاتی ہے اس لئے کہ مشرکین یا تو داڑھیاں بالکل جڑ سے یعنی استرے سے منڈواتے تھے یا کچھ تھوڑی تھوڑی رکھتے تھے۔ جیسے کہ آج بھی ہم مسلمانوں میں اس قسم کے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو داڑھی کا بالکل صفایا کرتے ہیں اور یہ عمل کئی تو ہر روز کرتے ہیں اور کئی دو تین دن کے بعد اور کئی داڑھی کے کچھ کچھ بال منہ پر نمودار کر لیتے ہیں مگر حد یکمشت سے کم، اور اس قسم کی داڑھی اسلامی داڑھی نہیں ہے بلکہ فیشنی داڑھی ہے کہ ہر جماعت کے ساتھ قینچی کیساتھ ہر طرف سے اسکی سطح برابر کرواتے رہتے ہیں اور اسکو ایک مٹھی تک بڑھنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو ان کے منڈوانے یا کٹانے میں اس طرح کہ تم داڑھی کو بڑھاؤ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں تک؟ تو اس کا جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خالفوا المشرکین میں پہلے ہی دے دیا۔

یعنی یہاں تک بڑھاؤ کہ مشرکوں کے ساتھ ان کی داڑھیوں میں کوئی تشابہ نہ رہ جائے اور پوری پوری مخالفت ہو جائے اور وہ ایک مٹھی کے برابر تک ہے یعنی اتنی داڑھی کہ جب تم میں سے کوئی اپنی مٹھی میں اسکو پکڑے تو وہ برابر آ جائے ہاں اگر مٹھی سے باہر بال نکلتے ہوں تو ان کو کٹانے میں مضائقہ نہیں : اگر کوئی نہ کٹائے تو وہ آثم اور گنہگار نہیں - بعض احادیث میں جو بوجہ طوالت کی لکھی نہیں گئیں ، آیا ہے :-

"داڑھی کو مثلہ نہ بناؤ"

اس کا مطلب علمانے یہ بیان کیا ہے کہ داڑھی کو بہت زیادہ طول میں بڑھا کر چہرہ کو قبیح اور بدصورت نہ بناؤ ، اس سے بھی ثابت ہوا کہ ایک قبضہ سے زیادہ داڑھی کا بڑھانا جب کہ چہرے کی آب و تاب باقی نہ رہے مکروہ ہے اور اگر زیادہ بڑھانے میں چہرہ زیادہ وجیہہ اور بارونق معلوم ہو جیسے حضرت مولٰنا الحاج رئیس الاصفیا ڈاکٹر اللہ دتا کنجاہی رحمتہ اللہ علیہ کی ریش مبارک و دیگر کئی ایک بزرگوں کی - تو پھر حد مشت سے زائد بڑھانا مندوب و مستحب ہے -

داڑھی کے بڑھانے کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو حکم دیا ہے ، اس میں آپ کا مقصد مشرکین کی مخالفت ہے - آپ نے داڑھی کے علاوہ اور بھی کئی امور میں مشرکین کی مخالفت کا حکم دیا ہے - چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ کی خدمت میں حضرت صدیق اکبر کے والد ابی قحافہ کو لایا گیا - اس کی داڑھی ایک سفید گھانس کی مانند نہایت سفید تھی - آپ نے فرمایا :

غیروا ھذا بشیءٍ واجتنبوا السواد رواہ مسلم - مشکوٰۃ صفحہ ۳ اس کو کسی چیز سے تبدیل کرو اور سیاہ کرنے سے بچو یعنی داڑھی کو مہندی کے رنگ یا زرد یا سبز رنگ سے رنگو اور داڑھی کو سیاہ رنگ کے خضاب سے سیاہ کرنے سے پرہیز کرو - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفید داڑھی کو اس لئے کہ مشرکین کی داڑھیاں سفید ہیں - رنگنے کا حکم دیا اور جو رنگ منع تھا اس سے منع کر دیا : اسی طرح داڑھی کے حلق اور اس کے قصر میں تشابہ بالمشرکین تھا - آپ نے اس کے برخلاف اوفرو اللحی یا اعفوا اللحی فرمایا کہ جہاں تک یہ داڑھیاں رکھتے ہیں تم وہاں سے آگے بڑھاؤ ، تاکہ موافقت لازم نہ آئے -

عن عمرابن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہ من عرضہا و طولہا - رواہ الترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۱

عن عمر ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک سے اس کے عرض اور اسی کے طول سے لیا کرتے تھے -

یہ حدیث ہمارے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے بالکل صریح اور واضح ہے - امید ہے آپ کا دوست اس حدیث کے بعد اپنے اعتراض اور سوال سے باز آ جائے گا اور حق کے آگے خوشی گردن خم کر دیگا - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت مستمرہ جو کان یاخذ سے مستفاد ہے یہ تھی کہ جب داڑھی کے عرض میں کچھ بال بڑھ جاتے یا اس کے طول میں بڑھ جاتے تو ان کو کٹوا دیتے تھے اس حدیث کے حاشیہ نمبر ۲ پر ہے :

کان یاخذ من لحیتہ ۔ ھذا لاینافی
قولہ صلے اللہ علیہ وسلم اعفوا اللحی
لان المنھی عنہ ھو قصھا کفعل الاعاجم
او جعلھا کذنب الحمام والمراد بالاعفا
التوفیر منہ کما فی الروایۃ الاخری
والاخذ من الاطراف قلیلا لایکون
من القص فی شئ ۔

حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل کہ آپ اپنی داڑھی سے لیا کرتے تھے ۔ آپ کے قول اعفوا اللحی (داڑھیوں کو بڑھاؤ) کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ جس سے روکا گیا ہے وہ عجمیوں کے فعل کی طرح داڑھیوں کا کاٹنا ہے ۔ مطلب یہ کہ تم عجمیوں کی طرح داڑھیوں کو نہ منڈاؤ اور نہ کترواؤ یا داڑھی کو کبوتر کی دم کی طرح بنانے سے منع کیا گیا کہ تم داڑھیوں کی ہیئت کبوتر کی دم کی طرح نہ بناؤ اور کبوتر کی دم کی طرح داڑھی کی صورت اس وقت بنتی ہے جب اس کو بڑھنے کے لئے سیدھا چھوڑ دیا جائے اس لئے کہ اوپر سے وہ بھاری اور پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور نیچے سے پتلی اور باریک اور نوکیلی ہو کر بالکل کبوتر کی دم کی طرح بن جاتی ہے ۔

اور مراد اعفاء سے اس کا زیادہ کرنا ہے جیسا کہ دوسری روایت میں توفیر وغیرہ کا لفظ آیا اور یہ زیادہ کرنا ایک قبضہ تک پایا جاتا ہے اطراف سے داڑھی کو درست کرنے کے لئے کچھ کچھ بالوں کا لینا داڑھی کے کاٹنے میں جو منھی عنہ ہے شامل نہیں ۔

جیسا کہ اوپر کی حدیث سے واضح ہوا کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم داڑھی کے عرض اور طول سے لیا کرتے تھے اگر داڑھی کا مطلقاً کاٹنا منھی عنہ ہوتا تو آپ ایسا نہ کرتے ۔

اس سے بھی زیادہ واضح سنیئے :

تنویر شرح شرعۃ الاسلام صفحہ ۲۹۸ پر اس حدیث کے جو اوپر بیان ہوئی الفاظ یوں روایت کئے گئے ہیں :

کان یاخذ من لحیتہ طولاً وعرضاً
علیٰ قدر القبضۃ

" حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی داڑھی مبارک سے لمبائی اور چوڑائی میں ایک مٹھی کے اندازے سے بال لیا کرتے تھے ۔"

یعنے اپنے دست مبارک میں داڑھی کو پکڑتے اور جو بال اس سے دراز ہوتے کاٹ دیتے ۔

فتح الباری ج ۱۰ صفحہ ۲۸۸ میں لکھا ہے کہ بعض کا کہنا کہ حضرت ابن عمر کے فعل اور عمل کے متعلق کہ وہ جو ایک مٹھی بھر سے زائد بڑھے ہوئے بالوں کو کترواتے تھے ۔ ایام حج کے ساتھ مخصوص ہے غلط ہے ایام حج کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ اگر داڑھی کا اعفا یعنے اس کا دراز کرنا یا زیادہ کرنا یا لٹکانا مامور بہا اور واجب ہے بلکہ ان کے لئے تو فرض تھا اس لئے کہ یہ حدیثیں جو داڑھی بڑھانے کے متعلق ہیں ۔ آپ کے اصحاب نے اپنے کانوں سے سنی ہیں اور جنہوں نے آپ کے ارشادات کو اپنے کانوں سے سنا ہے ۔ ان پر آپ کے ارشاد پر عمل کرنا فرض ہے ۔ اسی طرح آپ کا جو ارشاد ہم تک تواتر مروی ہو کر پہنچا اس پر ہمارے لئے بھی عمل کرنا فرض ہے جو احادیث تواتر سے کم مرتبہ کی ہیں ۔ ان میں سے جو حکم ملے اس پر عمل کرنا واجب ہے

توجب ابن عمر کے لئے اس وجہ سے کہ اعفا والی حدیث کو انہوں نے خود مسموع فرمایا ہے۔ داڑھی کا بڑھانا فرض تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ حج کے ایام میں وہ ایک مٹھی سے اوپر بڑھے ہوئے بال کٹوا دیتے تھے جو کہ ترک فرض اور معصیت تھا۔ حج کے ایام میں تو چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی احتراز لازم ہے چہ جائیکہ کوئی مسلمان کسی فرض عمل کا تارک ہو۔ فتح الباری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

الـذی یظہر ان ابن عمر لا یخص هذا التخصیص بالنسک بل کان یحمل الامر بالاعفاء علی غیر الحالۃ التی تشوہ فیها الصورۃ بافراط طول شعر اللحیۃ وعرضہ صفحہ

ظاہر یہ ہے کہ ابن عمر اس کاٹنے کی تخصیص حج اور عمرہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ وہ بڑھانے کے حکم کو اس حد تک قرار دیتے تھے جو ایسی حالت میں نہ بن جائے کہ صورت کو داڑھی کے بالوں کے بہت زیادہ طول و عرض کی وجہ سے بدنما بنا دے اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ابن عمر کا فعل قبضہ سے زائد بال کاٹنے کا، تمام حالات میں تھا۔ جنہوں نے حج اور عمرہ کے ساتھ کی تخصیص سمجھی اس حدیث سے سمجھی:

کان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج اور عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے اور جو بال زائد ہوتے ان کو بینتے (لیعنی کتا دیتے) اس کا اصل مطلب اور غلطی کا ازالہ اوپر کر دیا گیا ہے۔

اور سنیئے:

فتح القدیر جلد ۲ صلہ ۲۷ پر ہے:

عن ابن عمر انہ کان یقبض علی لحیتہ ثم یقص ما تحت القبضۃ

ابن عمر اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے پھر اس سے نیچے جو بال ہوتے اس کو کاٹتے تھے

اس روایت میں ابن عمر کے عمل کے ساتھ حج اور عمرہ کا ذکر تک نہیں جس سے ثابت ہوا کہ مٹھی سے زائد بالوں کا کاٹنا ابن عمر کا عمل ہر حال میں تھا۔ حج کے ایام میں بھی اور اس کے غیر میں بھی۔

اور سنیئے:

عن ابی ہریرۃ اخرجہ ابن ابی شیبۃ من حدیث ابی ذرعۃ قال کان ابو ہریرۃ یقبض علی اللحیۃ فیاخذ ما فضل عن القبضۃ:

حضرت ابو ہریرۃ داڑھی کو مٹھی میں لیتے اور جو بال زائد عن القبضہ ہوتے لے لیتے تھے۔ (عینی شرح ہدایہ ج ۱ صلہ ۱۳۴)

اور اسی کتاب میں اسی صفحہ پر یوں بھی آیا ہے

عن ابن عمر رواہ ابو داؤد والنسائی من حدیث مروان بن سالم المقنع قال رأیت ابن عمر یقبض علی اللحیۃ فیقطع ما زاد علی الکف۔ راوی نے کہا کہ میں نے ابن عمر کو دیکھا کہ داڑھی کو مٹھی میں لیتے اور جو ہتھیلی سے زائد بال ہوتے

ان کو کاٹ دیتے تھے۔

عینی شرح بخاری ج۱۰ ص۲۸۹ میں ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنی داڑھی ایک مٹھی سے زائد رکھی ہوئی تھی اور وہ بہت بڑھی ہوئی تھی حضرت عمر اس کو پکڑ کر کھینچنے لگے اور فرمایا قینچی لاؤ، پھر ایک شخص کو حکم دیا جس نے ان کے ہاتھ کے نیچے سے کاٹ دیا تاکہ مٹھی کے برابر ہو جائے۔

فتح القدیر ج۲ ص۷۷ میں ہے:

واما الاخذ منہا وھی دون ذالک کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد۔ اور لیکن داڑھی کا کاٹنا جبکہ وہ مٹھی سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی لوگ (انگریز وغیرہ) اور بعض مخنث کرتے ہیں۔ ساری امت سے کسی نے اس کو مباح قرار نہیں دیا۔

ان احادیث و روایات میں جو مذکور ہوا اسی کے مطابق حضرت امام غزالی نے اور قاضی عیاض و دیگر علماء نے بیان کیا۔ اس کے بعد فقہاء کے اقوال مسموع فرمائیں۔

داڑھی بڑھانا سنن انبیاء سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے ہاں ایک مشت سے زائد ہو جائے تو جتنی زیادہ ہو جائے اس کو کتروا سکتے ہیں۔ بہار شریعت بحوالہ درمختار ج۱۶ ص۱۹۷

مٹھی سے زیادہ داڑھی کتروانی جائز ہے

والقص سنۃ فیہا وھو ان یقبض الرجل لحیتہ فان زاد علی قبضہ قطعہ کذا ذکرہ۔ عالمگیری ج۴ ص۲۳۹

امید ہے اتنے دلائل آپ کے دوست کے لئے کافی ہوں گے اور اب انشاء اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں کوئی خلجان باقی نہ ہوگا، بلکہ حکم شرع کے آگے اس کا سر خم ہوگا۔ اسی میں سعادت اور فلاح دارین ہے۔

جواب نمبر (۲)

شرعیات میں شارع اسلام نے احکام کی بجا آوری کے لئے جو ہیئت مقرر فرمادی ہے وہ تاقیامت اسی طرح رہے گی۔ عصری ترقیات اور سائنس کا وجود اس پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ صوم و فطر کے لئے رویت ہلال یا شہادت ضروری ہے۔ تار، ٹیلیفون، ٹیلیویژن ریڈیو وغیرہ آلات کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ واقع اور نفس الامر میں ان آلات کی نشریات صحیح ہی کیوں نہ ہوں اسی طرح اذان کے لئے مشروع بھی یہی ہے کہ اذان مسجد سے باہر ہو۔ اسی طرح جمعہ کے دن جو اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور تمام مساجد میں اس کا رواج ہو گیا ہے اور اس کا خلاف طبع پر گراں گزرتا ہے، منع ہے اور خلاف سنت ہے تو یہ ہے اذان کا حکم یہی ہے کہ مسجد سے باہر ہو یا مینار پر کہی جائے۔ اگرچہ بذریعہ لاؤڈ سپیکر اندر اذان کہنے سے موذن کی اذان اس سے سینکڑوں درجہ زیادہ بلند ہو، اس لئے کہ آواز کی بلندی صرف اتنی ہی شرع میں مقصود ہے جو اہل محلہ تک پہنچ جائے چنانچہ ازمنۂ سابقہ میں جب یہ آلہ ایجاد نہیں ہوا تھا یا اس کے مساجد میں استعمال کرنے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ محلہ والوں کو نماز کے وقت کی آگاہی کے لئے موذن کی آواز ہی کافی ہوتی تھی اور محلہ والوں کو اذان کا علم ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان سے لوگوں نے اپنے کسی دنیا کے کاموں کی توقیت کی ہوتی تھی۔

عورتیں فجر کی اذان سنکر بیدار ہوتیں اور دودھ بلوتی تھیں کسان ہل لے کر کھیتوں کو روانہ ہو جاتا تھا۔ مسافر اذان سن کر بیدار ہوتا اور اپنا راستہ لیتا تھا۔ اسی طرح دیگر اذانوں سے بھی اپنے کئی کاموں کے لئے وقت کی شناخت کرتے تھے۔ اور اذان سے نماز کا وقت سب کو معلوم ہو جاتا تھا۔ جب مسجد میں اذان ہوتی تھی لوگ اس کو سننے کے لئے خاموش ہو جاتے تھے اپنا کام چھوڑ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ یہ جان لیتے تھے کہ یہ اذان کون سی مسجد کی ہے۔ اگر ایک محلہ میں یا ایک گاؤں میں کئی مسجدیں ہوتیں تو ہر مسجد میں جب اذان ہوتی تو محلہ میں یا گاؤں میں گونج پڑ جاتی۔ چونکہ اذان کا مقصد آگاہ کرنا ہے اور جب موذن کی اذان سے جب مسجد سے باہر ہو کر یا مینار پر چڑھ کر کہے گا تو مقصد پورا ہو گیا لہذا اب اس آلہ کی ضرورت باقی نہ رہی کہ ہم اس کو خواہ مخواہ اندر رکھ کر اذان کہیں۔ اس کی آواز مفرط یا زائد علی الحاجت ہے۔ جب وہ حاجت سے زائد ہے تو اس کے جواز کو سوچا بھی نہیں جا سکتا بلکہ خلافِ سنت ہونے سے ناجائز ہوگا۔ ہاں اگر ضرور اس آلہ ہی سے اذان کہنے کا شوق ہے تو اس آلہ کو باہر رکھ لیا جائے، جیسا کہ حرمین الشریفین میں میناروں کے اوپر اس آلہ کی تنصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نمازوں میں، قراءت اور امام کی تکبیر کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال ہمارے زمانہ کے فقہا کے ایک گروہ کے نزدیک منع ہے جبکہ بعض نے جو نہایت قلیل ہیں اور فلسفی اور سائنسی دلائل کا سہارا لے کر اسکو نماز میں استعمال کرنے کو جائز کہا ہے۔ لاؤڈ سپیکر کا استعمال مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ خطبات و تقاریر اور مواعظ میں اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے، بلکہ بہت زیادہ مفید ہے۔ بہارِ شریعت ص ۳۲/۳۲ میں ہے اذان منارہ پر کہی جائے یا خارج مسجد، اور مسجد میں اذان نہ کہے (عالمگیری) مسجد میں اذان کہنا مکروہ ہے۔

حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۱۲۲

ویکرہ ان یوذن فی المساجد کما فی القہستانی عن النظم فان لم یکن ثم مکان مرتفع للاذان یوذن فی فناء المسجد کما فی الفتح:

مساجد کے اندر اذان کہنا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں بحوالہ نظم روایت کیا گیا ہے اگر مسجد کے منارہ کی طرح کوئی بلند جگہ نہ ہو تو مسجد سے باہر اذان کہی جائے اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب احکام شریعت میں اور رسالہ انوار الصوفیہ بابت نومبر ۱۹۷۱ء تحت "چند مسائل قابل توجہ" میں (مسجد میں اذان)، کے عنوان کے سامنے غنیہ شرح منیہ اور طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح کے حوالہ جات درج ہیں۔ پتہ نہیں آپ کے دوست صاحب کو کیا ہو گیا ہے جو مشاہیر اور مستند علماء اور ان کی تصانیف سے مطمئن نہیں ہو رہا ہے اور دلیل و ثبوت کے ہوتے ہوئے ثبوت کا طالب ہو رہا ہے۔

جواب نمبر (۳)

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی قد خرجت
(متفق علیہ مشکوۃ)

ابی قتادہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز
کے لئے اقامت کہی جائے تو تم کھڑے
نہ ہو جب تک تم نہ دیکھو کہ میں نکلا ہوں

یعنی تکبیر کے وقت صف میں پہلے سے کھڑے نہ
ہو جاؤ بلکہ جب مجھے حجرے شریف سے نکلتے دیکھو
تب کھڑے ہو تاکہ نماز کے قیام کے ساتھ حضور کے
لئے قیام تعظیمی بھی ہو جائے۔ حضور حی علی الفلاح
پر حجرے سے باہر جلوہ گر ہوتے تھے اب بھی سنت
یہی ہے کہ مقتدی صف میں بیٹھ کر تکبیر سنیں "حی علی
الفلاح" پر کھڑے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کی
غیر موجودگی میں تکبیر جائز ہے (مرأت شرح مشکوٰۃ
مؤلفہ الحاج مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
اشعۃ اللمعات کے صہ۳۲۱ ج اول میں اسی حدیث کے
نیچے رقم طراز ہیں:

"فقہا گفتہ اند مذہب آں است کہ نزد
حی علی الصلوٰۃ" باید برخاست و شاید
کہ بیرون آمدن آنحضرت دریں وقت میبود

فقہا علیہم الرحمہ کا مذہب یہی ہے کہ مقتدی اس
وقت اٹھ کر کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا حی علی
الصلوٰۃ کہے: ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم اس وقت ہی حجرہ شریف سے باہر تشریف
لاتے ہوں۔

بہار شریعت صہ۳۱ ح۳ مسئلہ: اقامت کے
وقت کوئی شخص آیا تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ
ہے بلکہ بیٹھ جائے جب حی علی الفلاح پر پہنچے اس
وقت کھڑا ہو۔ یونہی جو لوگ مسجد میں موجود ہیں وہ بیٹھے
رہیں اس وقت اٹھیں جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے
یہی حکم امام کے لئے ہے (عالمگیری)

آجکل اکثر جگہ رواج پڑ گیا ہے کہ وقت اقامت
سب لوگ کھڑے رہتے ہیں بلکہ اکثر جگہ تو یہاں تک
ہے کہ جب تک امام مصلے پر کھڑا نہ ہو اس وقت
تک تکبیر نہیں کہی جاتی یہ خلاف سنت ہے۔

کنز الدقائق صہ۲۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔

والقیام حین قیل حی علے الفلاح و
شروع الامام مذ قیل قد قامت
الصلوٰۃ اور کھڑا ہو جب کہا جائے
حی علی الفلاح اور شروع ہو امام
جب کہا جائے قد قامت الصلوٰۃ۔

صاحب کنز الدقائق نے اس کو نماز کے آداب و مستحبات
میں ذکر فرمایا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب
ہے۔ ایسے ہی نور الایضاح میں اس کو ذکر کیا گیا ہے
مراقی الفلاح صہ۱۴۹ میں ہے:

"ومن الادب القیام ای قیام القوم و
الامام ان کان حاضراً بقرب المحراب
حین قیل ای وقت قیل المقیم حی علے
الفلاح لانہ امر فیجاب وان لم یکن
حاضراً یقوم کل صف حین ینتہی الیہ
الامام فی الاظہر"

قوم اور امام کے لئے جبکہ امام محراب کے قریب
حاضر ہو حی علے الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہونا مستحب
ہے اور جب امام محراب میں نہ ہو تو ہر صف والے کھڑے
ہوں جب امام ان تک پہنچے اس لئے کہ حی علی الفلاح

امر ہے پس اسکی اجابت کی جانی چاہیئے۔

طحطاوی میں جو مراقی الفلاح کا حاشیہ ہے اس کے صد ۱۶۶ میں لکھا ہے کہ جب امام پیچھے سے آئے تو جس صف سے گزرے وہ کھڑے ہوجائیں اور اگر سامنے سے آئے تو اسکو دیکھ کر سب یکبارگی کھڑے ہوجائیں۔ اس سے آگے لکھا ہے:

واذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ و دخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائماً فانہ مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفہم منہ کراہۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون۔

اور جب مؤذن اقامت میں شروع ہو اور ایک آدمی مسجد میں داخل ہو اتو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے اس لئے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات اور قہستانی میں ہے اور اس سے شروع اقامت سے کھڑے ہونے کی کراہت سمجھی جاتی ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

اس تقریر سے دو صورتیں سمجھی گئیں ایک یہ کہ امام محراب میں یا اس کے قریب ہو اس صورت میں جب مؤذن اقامت کہے تو سب کو بیٹھے رہنا چاہیئے جب وہ حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کہے تو سب اٹھ کر کھڑے ہوجائیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ امام محراب میں نہیں بلکہ وہ اقامت شروع ہونے کے وقت پیچھے سے آیا ہے تو وہ جس صف سے گزرے وہ کھڑے ہوجائیں آخیر صفوں تک اور اگر امام سامنے سے آئے تو سب کھڑے ہوجائیں۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو مقتدیوں کی طرف منہ کر کے صفوں کو سیدھا فرماتے تھے اس طرح کی احادیث جو تسویۃ الصفوف کے متعلق آئی ہیں وہ اس عمل کو جسکو ہم نے فقہی عبارات و دلائل کی روشنی میں بیان کیا ہے منافی نہیں اس لئے کہ تکبیر کے بعد اگر صف میں کجی ہے تو امام نماز میں شروع ہونے سے قبل اسکو سیدھا کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تسویۃ الصفوف اور حی علی الفلاح کے وقت مقتدیوں کے کھڑا ہونے میں ضد یا منافات سمجھنا غلط فہمی ہے۔ ان دونوں کاموں کے مابین جب جمع ممکن ہے تو اعتراض بے معنی ہے فتدبروا یا اولی الابصار۔

جواب نمبر (۴)

سوال میں یہ نہیں بتایا گیا کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ نے کب گھوڑوں اور اونٹوں پر اکثر نمازیں پڑھی ہیں اور اگر پڑھی ہیں تو وہ بحالت سفر پڑھی ہیں یا بحالت حضر، فرض پڑھی ہیں یا نفل: اختیاراً پڑھی ہیں یا اضطراراً۔ آپ کے لفظ اکثر سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب کی وہ نمازیں جو زمین پر کھڑے ہوکر پڑھی ہیں کم ہیں۔ اس لئے کہ اکثر کا تقابل اقل ہی سے ہوسکتا ہے اور پھر اس مفہوم کو رد کرنے یا ثابت کرنے والی کم از کم دو ایک حدیثیں بھی بیان کردی ہوتیں یا ان کے ماخذ کا حوالہ دے دیا ہوتا۔ اب افہام کی نیت سے ریل میں یا کشتی میں نماز ادا کرنے کا مسئلہ بھی پوری وضاحت سے رقم کرتے ہیں۔ آپ اچھی طرح پڑھیں اور بہتر ہے کہ اپنے دوست کو بھی اپنے پاس بٹھائیں تاکہ اس کو بھی

دین کا علم حاصل ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد
ہے۔ "علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"

بہار شریعت صہ ۱۹ ج ۴: چلتی گاڑی پر بھی فرض
وواجب وسنتِ فجر نہیں ہو سکتی اور اس کو جہاز اور
کشتی کے حکم میں تصور کرنا غلطی ہے کہ کشتی اگر ٹھہرائی
بھی جائے جب بھی زمین پر نہ ٹھہرے گی اور ریل گاڑی
ایسی نہیں اور کشتی پر بھی اسی وقت نماز جائز ہے
جب وہ بیچ دریا کے ہو اگر کنارہ پر ہو اور خشکی پر
آسکتا ہو تو اس پر بھی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جب
اسٹیشن پر گاڑی ٹھہرے اس وقت یہ نمازیں پڑھے
اور اگر دیکھے کہ وقت جاتا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو
پڑھ لے پھر جب موقع ملے اعادہ کرے۔ کہ جہاں من
جہتہ العباد کوئی شرط یا رکن مفقود ہو اس کا یہی حکم
ہے۔ انتہی بعبارتہ۔

فتاویٰ رضویہ صہ ۴۲ ج ۳ فرض اور واجب جیسے
وتر و نذر اور ملحق بہ یعنی سنت فجر چلتی ریل میں نہیں ہو
سکتے۔ اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے پڑھ لے
پھر بعد استقرار اعادہ کرے۔ تحقیق یہ ہے کہ استقرار
بالکلیہ و بالوسائط زمین یا تابع زمین پر کہ زمین سے
متصل باتصال قرار ہو ان نمازوں میں شرط صحت ہے
مگر بہ تعذر و لہٰذا دابہ پر بلا عذر جائز نہیں (خواہ اونٹ
ہو یا گھوڑا جیسا کہ سوال میں مندرج ہے) اگرچہ کھڑا
ہو کہ دابہ تابع زمین نہیں و لہٰذا گاڑی پر جس کا جوا
بیلوں پر رکھا ہے اور گاڑی ٹھہری ہوئی ہے جائز
نہیں کہ بالکلیہ زمین پر استقرار نہ ہوا۔ ایک حصہ غیر
تابع زمین پر ہے و لہٰذا چلتی کشتی سے اگر زمین پر
اترنا میسر ہو کشتی میں پڑھنا جائز نہیں بلکہ عند التحقیق
اگرچہ کشتی کنارے پر ٹھہری ہو مگر پانی پر ہو زمین پر
نہ پہنچی ہو اور یہ کنارے پر اتر سکتا ہے کشتی میں
نماز نہ ہوگی، کہ اس کا استقرار پانی پر ہے اور پانی متصل
زمین باتصال قرار نہیں جب استقرار کی حالتوں میں
نمازیں جائز نہیں ہوئیں جب تک استقرار زمین پر اور
وہ بھی بالکلیہ نہ ہو تو چلنے کی حالت میں کیسے جائز ہو
سکتی ہیں کہ نفس استقرار ہی نہیں بخلاف کشتی رواں
جس سے نزول میسر نہ ہو کہ اسے اگر روکیں گے بھی تو
استقرار پانی پر ہوگا نہ کہ زمین پر لہٰذا سیر و وقوف برابر
لیکن اگر ریل روک لی جائے تو زمین پر ہی ٹھہرے گی اور
مثل تخت ہو جائے گی۔ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے
لئے روکی جاتی ہے اور نماز کے لئے نہیں تو منع من جہۃ
العباد ہوا اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ
نماز پڑھ لے اور بعد زوال مانع اعادہ کرے۔ اعلیحضرت
بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو درمختار کی ایک
طویل عبارت کے ساتھ مدلل کیا ہے جس کو ہم نے یہاں
بخوف طوالت ترک کر دیا ہے۔

ہمارے شیخ اعلیٰ حضرت امیر ملت علی پوری
قدس سرہٗ اور آپ کے جملہ صاحبزادگان کا عمل ریل پر
نماز پڑھنے کا ہی تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ آپ بعد میں اس کا
اعادہ بھی فرماتے تھے یا نہیں۔ حضرت جوہر الملت بھی
فرماتے تھے کہ بحالت سفر ریل میں نماز پڑھنا صحیح ہے
انہوں نے اس کے متعلق کوئی فقہی دلائل بھی جمع کر
رکھے ہوں گے۔ مگر ہم اپنے شیخ کے مسلک کی تائید میں لکھتے ہیں کہ

نور الایضاح کے صہ ۱۱۹ میں ضرورت (عذر) کے
لئے فرض اور واجب اور ان کی ملحقات نمازوں کا پڑھنا
جائز لکھا ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے:

لا یصح علی الدابۃ صلوٰۃ الفرائض و
الواجبات کالوتر والمنذور وما شرع
فیہ نفلاً فافسدہٗ ولا صلوٰۃ الجنازۃ
وسجدۃ تلیت آیتہا علی الارض الا
لضرورۃ کخوف لص علی نفسہ او دابۃ
او ثیابہ لو نزل: دابۃ (سواری) پر
فرض اور واجب نماز مانند وتر اور منذور
اور شروع کرکے فاسد کئے ہوئے نفل
کے صحیح نہیں ہے اور نماز جنازہ اور سجدہ
تلاوت جس کی زمین پر تلاوت کی ہو صحیح نہیں
ہے مگر ضرورت کے واسطے مثلاً سواری سے
اترنے کی صورت میں اپنی جان کا یا اپنی سواری
کا یا اپنے کپڑوں کا خوف ہو۔

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ سواری پر فرض و واجب
نماز تب صحیح ہے جبکہ اس کو نیچے اتر کر نماز پڑھنے میں
یہ خوف ہو کہ دشمن اس کو ہلاک کرے گا یا کم از کم اس
کو زدو کوب اور بے عزت کرے گا یا چور اس کی سواری
جب وہ نماز پڑھ رہا ہو گا چوری کرکے لے جائے گا یا
اس کا سامان چوری ہو جائے گا۔ ریل میں بھی یہی صورت
ہے کہ اگر وہ کسی اسٹیشن پر اتر کر نماز پڑھتا ہے تو اس
کو ریل کے چھوٹنے کا اندیشہ ہے جس میں اس کا سامان
وغیرہ بھی رکھا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ریل میں نماز
پڑھ لے تو صحیح ہے اس کا اعادہ واجب نہیں۔
نور الایضاح کے حاشیہ طحطاوی صہ ۲۳۲ میں لکھا
ہے:

قال فی الخلاصۃ اما صلوٰۃ الفرض علی
الدابۃ بالعذر فجائزۃ فیقف علیہا

الی مستقبل القبلۃ ویصلی بالایماء
ان امکنہ ایقاف الدابۃ فان لم
یمکنہ صلی ایما توجہت ولو مستدبر
القبلۃ

ماحصل اس عبارت کا یہ ہے کہ دابۃ پر عذر کے ساتھ
اگر اس کا ٹھہرانا ممکن ہو تو کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر
کے اشارہ کے ساتھ فرض نماز پڑھنا صحیح ہے اور اگر
اس کا ٹھہرانا ممکن نہ ہو تو اس پر نماز پڑھے۔ جس طرف
بھی اس کا منہ ہو اگرچہ قبلہ کی طرف اس کی پیٹھ ہی کیوں
نہ ہو۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح صہ میں ہے
الا لضرورۃ نص علیہا فی الفرض بقولہ
تعالیٰ فان خفتم فرجالا او رکبانا و
الواجب ملحق بہ یعنے دابۃ پر ضرورت
کے لئے فرض اور واجب نماز کے درست
ہونے پر قرآن پاک میں نص کی گئی ہے فرجالا
او رکبانا: کہ تم نماز پڑھو پیادہ اور سوار ہو کر
مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی اپنے فتاویٰ امدادیہ
جلد اول صہ۱۳۳ میں لکھا ہے:
"نماز پڑھنے کے لئے ریل سے اترنے کی
کوئی حاجت نہیں اگر ریل مثل سریر موضوع
علی الارض کے ہے تو ظاہر ہے اور یہی
صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔
اس سے آگے شامی کی جلد اول صہ۱۱۱ کی ایک طویل
عبارت نقل کرنے کے بعد بطور اسکے خلاصہ کے لکھا
ہے اور اگر مثل عجلہ محمولہ علی الدابۃ کے بھی مانی جائے
تب بھی بوجہ عذر کے اترنے کی کوئی ضرورت نہیں اور

عذر یہی ہے کہ چلتی ریل میں اتر نہیں سکتا۔ کھڑی ریل میں ریل کے چل دینے یا مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس سے آگے شامی صفحہ مذکور کی ایک اور عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: اگرچہ یہ بھی امید ہو، کہ نماز کے وقت سے پہلے مجھ کو اتر کر پڑھنا ممکن ہے تب بھی ریل میں بہرحال پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ عذر وقت شروع نماز کے معتبر ہے اگرچہ آخر وقت میں زوال اس کا متوقع ہے۔

ریل میں نماز پڑھنے پر جو اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور فتوے پر جو وضاحت طلب کی گئی تھی۔ بحمداللہ تعالیٰ ہم نے اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف منیف فتاویٰ رضویہ سے علیٰ وجہ الاتم پیش کر دی ہے اور ریل میں نماز کے جواز پر ضرورت اور عذر کی وجہ سے دیگر متعدد فقہا کی عبارات سے بھی دلائل پیش کر دیئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت شیخ الشیوخ زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت امیر ملت مولٰنا و مخدومنا الحافظ السید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری ریل میں نماز پڑھتے تھے اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان اور اسباط مدظلہم العالی بھی ریل میں نماز پڑھنے اور اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اس لئے فقیر حقیر راقم الحروف کا بھی اس مسئلہ میں وہی عمل ہے جو فقیر کے شیخ و مرشد اور ان کی اولاد کا ہے۔ اللہ تعالیٰ تازیست ان کے اتباع میں رکھے اور اسی پر مارے۔ (آمین)

جواب نمبر (۵)

لڑکیوں کو لکھنا سکھانا اور ان کو دین کی تعلیم دینا یاد دلانا، ایک چیز نہیں بلکہ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ علم سیکھنا اور وہ بھی قرآن و حدیث اور فقہ کا جس سے توحید و رسالت اور آخرت کا علم حاصل ہو اور آدمی حق اور باطل کے مابین امتیاز کرے اور اس کو وہ راہ معلوم ہو جو اللہ اور اس کے قرب تک موصل ہو اور جس سے اکل و شرب اور لباس اور استعمال اور اشیاء سے استمتاع کے اعتبار سے اشیاء کی حلت و حرمت معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے فرائض اور اوامر و نواہی، اور اتباع رسول اور سنت اور اس کے اقسام کا علم حاصل ہو بلا تفریق ہر مرد و زن پر سیکھنا فرض ہے۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

العلم فریضۃ علٰے کل مسلم ومسلمۃ

"ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر علم سیکھنا فرض ہے۔"

اور علم سے مراد دین کا علم ہے جس سے اوپر کے فوائد مذکورہ حاصل ہوتے ہیں۔ انگریزی مدارس اور کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ قطعاً مراد نہیں ہے اور نہ ہی اس کو علم کہا جاتا ہے وہ حرفہ اور ذریعہ کسب مال ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور جس نے علم طلب کیا اور اسکو پایا۔ اسکو ثواب کے دو حصے ملیں گے اور اگر اس کو نہ پایا تو اس کو ثواب کا ایک حصہ ملے گا۔ حدیث میں جو لفظ مَنْ آیا جس کے معنی "جس نے کے ہیں" وہ مردوں اور عورتوں کو عام ہے۔ حصول علم میں قرآن اور حدیث مردوں اور عورتوں میں سے کسی ایک صنف کی تخصیص نہیں فرمائی گئی اور حصول علم میں اکثر احوال میں ان مفاسد کا ظہور نہیں ہوتا جن کی بنا پر اسکو کئی ایک مسائل

زندگی میں مردوں سے ایک جدا مقام دیا گیا ہے۔
مثلاً وہ باپردہ رہیں۔ گھروں سے ضرورت کے بغیر
باہر نہ نکلیں اگر نکلیں تو پردہ کے ساتھ نکلیں۔ نماز
کے لئے مسجد میں نہ آئیں۔ خوشبو لگا کر باہر نہ آئیں
ان پر وہ عبادت بھی فرض نہیں کی گئی جس میں باہر نکلنا
ضروری ہے مثلاً جمعہ اور عیدین اور جہاد کے یہانتک
کہ جب تک عورت کے ہمراہ جانے کے لئے کوئی محرم
نہ ہو اس پر حج بھی فرض نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جن
احادیث سے علم کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اس
فرضیت سے مراد بھی بقدر کفایت ہے۔ جس سے وہ
فرائض و واجبات کا علم بقدر

فنی لحاظ سے جو مدارس و مکاتیب میں داخلہ لے کر
اور دور دراز کا سفر کر کے علم حاصل کیا جاتا ہے، وہ
فرض کفایہ ہے۔ جب شہر میں کسی ایک نے یا چند
آدمیوں نے علم حاصل کیا کہ وہ محدث، فقیہ ہوا۔ دین
کے مسائل بتانے کی اسکو قدرت حاصل ہوگئی تو جملہ
اہل بلد کے سر سے یہ فریضہ اتر گیا۔

اب آیئے فن کتابت کیطرف اعلیٰ حضرت بریلوی
رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مضمون ہدایت مشحون میں جو رسالہ
انوار الصوفیہ ماہ نومبر صفحہ ۲۶ سے ۲۹ تک چھپا ہے
اس میں آپ نے عورت کے لئے دینی علم کے حصول
کو منع نہیں فرمایا۔ آپ نے تو اسکو لکھنے کی تعلیم دینا
منع فرمایا ہے اور یہ بات آپ نے اپنی طرف سے
نہیں فرمائی بلکہ حدیث شریف میں آیا ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لا تنزلوا النساء الغرف ولا
تعلموھن الکتابۃ وعلموھن
الغزل وسورۃ النور (خازن ۳۴۳/۳ج)
اخرجہ ابو عبد اللہ بن ربیع فی صحیحہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے
فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "تم نہ اتارو
عورتوں کو بالا خانوں میں (چوباروں میں) اور نہ سکھاؤ
ان کو کتابت اور سکھاؤ ان کو چرخہ کاتنا اور سورہ نور

اس حدیث کے پیش نظر مسلمان آدمی کو تسکین
ہو جانی لازم ہے۔ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ارشاد اور فرمان کے بعد تمام قیاسات اور حکمتیں
اور فلسفے مردود ہیں اور ایک جو کی بھی قیمت نہیں رکھتے

محدود ست قرآن وحدیث اور تفسیر کا شریعت
کے تقاضوں اور پردے کی حدود کے اندر رہتے ہوئے
اگر علم حاصل کرے تو یقیناً وہ معاشرہ کی خواتین کے
لئے رہنما اور ایک اچھے معلم اور مبلغ اسلام کے فرائض
سرانجام دے سکتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باوجودیکہ
لکھنا نہیں جانتی تھیں حضور علیہ السلام کے اصحاب
میں ان کو تفقہ فی الدین کا بڑا اونچا مقام حاصل تھا۔
اور بڑے بڑے صحابی ان کی خدمت میں مشکل سے
مشکل مسائل کا حل طلب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ
اوپر کی حدیث جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے عورتوں کو لکھنا سیکھنے سے منع فرمایا۔ اس کی
راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تو ہیں۔

تعلیم نسواں جس سے مراد صرف قرآن
اور حدیث اور فقہ ہے اس سے کسی کو اختلاف
نہیں اور اگر آپ اس سے مراد کالجوں کی مروجہ تعلیم

لے رہے ہیں جس نے ہمارے معاشرہ کی خواتین کو اسلام اور اس کے فرائض سے ناآشنا اور بیگانہ بنا دیا ہے تو اس سے ہر مسلمان کو اختلاف ہو سکتا ہے ہمارے شیخ و مرشد حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں بارہا فرمایا اور میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ عورتوں کو سکولوں میں مت بھیجو اور جو اپنی بیٹیوں کو سکولوں کالجوں میں بھیجتے ہیں گویا وہ چکلہ میں بٹھاتے ہیں۔ آپ نے ایک بار یہی مسئلہ بیان فرماتے ہوئے شہر جموں جامع مسجد تالاب والی میں سنہ ۱۹۴۱ء میں فرمایا تھا:

"جب تک عورت گھر میں ہے۔ وہ
ایک انمول موتی ہے۔ جب وہ گھر کے
پردہ سے باہر نکلی تو وہ ایک مولی سے
بھی ارزاں ہے"

آپ کا یہ لکھنا کہ بہت سی صحابیات لکھنا جانتی تھیں چنانچہ شفا بنت عبداللہ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل تھی۔ شفا کے علاوہ حضرت حفصہ۔ ام کلثوم بنت عقبہ اور کریمہ بنت مقداد بھی لکھنا جانتی تھیں۔ محتاج دلیل ہے۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ کسی مستند کتاب کا حوالہ تحریر فرماتے۔ یہ انکشاف آپ کو کہاں سے ہوا؟ اور اگر بالفرض اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ان بزرگ خواتین نے آغوش اسلام میں پناہ لینے کے بعد کتابت نہیں سیکھی ہوگی۔ یہ فن پہلے ہی سے انہوں نے سیکھا ہوگا۔ اور تعجب ہے کہ قرآن تو تمام اہل مکہ کو امی کہے یعنی وہاں کے مرد نہ لکھنا جانیں نہ پڑھنا ——— هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم (سورہ جمعہ)

"اللہ وہ ہے جس نے امیوں میں ان سے
ایک عظیم الشان رسول مبعوث کیا"

اور آپ مکہ والوں کی عورتوں تک یہ فرمائیں کہ ان میں سے بہت سی صحابیات لکھنا جانتی تھیں فیاللعجب

آپ کو محترمہ صفیہ قادری بی۔اے کے مضمون "دین و دانش" لکھ کر بھیجنے اور ہمارے اس کو شائع کرنے پر بھی اعتراض ہے کہ جب عورتوں کے لئے لکھنا سیکھنا منع ہے تو پھر ان کا لکھا ہوا مضمون رسالہ میں کیوں شائع کیا جائے۔ جناب اس کا جواب یہ ہے کہ جنہوں نے اپنے مضمون میں حدیث کی روشنی میں عورتوں کے لئے لکھنا سیکھنا منع فرمایا، وہ ہیں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور "دین و دانش" کا مضمون برائے اشاعت بھیجنے والی ہیں صفیہ قادری بی۔اے اور شائع کرنے والے ہر دو مضمون کے ہم ہیں۔ جب یہ تین چیزیں (۱) منع عن الکتابت
(۲) ایک عورت کا مضمون لکھ کر بھیجنا۔
(۳) اس کا شائع کرنا تین آدمیوں کی طرف جداجدا منسوب ہے تو کوئی تناقض نہ رہا اس لئے کہ تحقق تناقض کے لئے وحدت موضوع و محمول شرط ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے اگر کوئی خاتون جو لکھنا جانتی ہے کوئی دینی مضمون لکھ کر اشاعت کیواسطے ارسال کر دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اس کی اشاعت کو روکا نہیں جا سکتا، اس لئے کہ یہ مضمون کا اسکی احادیث کے پیش نظر شائع کرنا جائز ہوگا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی کے دشمن نے

اس کے مکان کی گرتی دیوار کو سیدھا کر دیا، تو کیا آپ اس دیوار کو گرا دینے کا حکم دیں گے کہ اس کے دشمن نے اس کو سیدھا کیا ہے، ہرگز نہیں، اسلئے کہ دشمن اگرچہ دشمن ہے مگر اس کا یہ کام نیک ہے۔

عورتوں کے کاتبہ ہونے میں اگرچہ چند خوبیاں بھی ہیں مگر مفاسد اور مضار بھی ہیں۔ شریعت کے اصول میں جلب منفعت سے زیادہ اہم دفع مضرت ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کی کتابت میں جن مضرتوں اور خرابیوں کا امکان ہے۔ ان کے پیش نظر شارع علیہ السلام نے اس کو منع فرما دیا۔

عورت کے لئے صاحب قلم ہونے کے مفاسد و شرور اور فتن کو تو خود اعلیٰ حضرت بریلوی نے فتاویٰ رضویہ میں یوں رقم فرمایا ہے:

"عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع و سنت نصاریٰ ہے۔ باب ہزاروں فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے جس کے مفاسد شدیدہ پر تجارب عدیدہ شاہد عدل متعدد حدیثیں اس کی ممانعت میں وارد ہیں۔ اب جو لڑکیوں کو لکھنا سکھانے کی اجازت کی طرف جائے یا حالِ زمانہ سے غافل ہے یا امت مرحومہ کی خیر خواہی سے غافل ولم یعرف حال زمانہ محض جاہل ونسئل اللہ العفو والعافیہ (فتاویٰ رضویہ اصلاح بہشتی زیور)

اعلیٰ حضرت امیر ملت محدث علی پوری کے قول اور اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہما کی صراحت وضاحت کے بعد کسی شک وشبہ کی اس مسئلہ میں گنجائش تو نہ تھی مگر پھر بھی انگریزی تعلیم یافتہ یا کالجیٹ لڑکیوں کی بعض خوبیوں کو ملاحظہ کر کے اس مسئلہ کی چھپی ہوئی حکمتوں اور مصلحتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ نے انکار کر دیا ہے۔ اگر ان بزرگ ہستیوں کا قول آپ کو اچھا نہیں لگتا تو علامہ ڈاکٹر اقبال صاحب کا قول ہی ملاحظہ فرمائیں۔ انگریزی تعلیم کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مدِ نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

دکھائی فلسفۂ مغرب نے وہ مردی
کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا (اکبر)

جواب نمبر ۵

حضرت مولانا اعلیحضرت بریلوی نے جو تحریر فرمایا ہے وہی حق ہے یعنی یہ کہ اسم جلالت کے ساتھ میاں (اللہ میاں) مکتوب ہے یہ ممنوع ومعیوب ہے۔ (احکام شریعت)

خدارا مان جائیں تسویلات نفس پر نہ جائیں۔ علمائے امت اور برگزیدگانِ ملت جو قرآن وحدیث کے ماہر اور ہدایت جن سے ظاہر اور ظاہر و باطن سے طاہر ہیں، وہ جو بات کہتے ہیں حق ہے اور عوام کے لئے دین میں اسکی تسلیم کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ وما علینا الا البلاغ

انوارِ رسالت (تبصرہ)

حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمال صوری و معنوی وہ دریا ہے جس کا کنارہ نہیں — وہ صحرا ہے جس کی انتہا نہیں، آپ کی مدحت سرائی اور نعت خوانی کا منتہائے کمال یہ ہے کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کیا جائے۔ اگرچہ مخلوق میں سے کسی کی تاب وتواں نہیں کہ آپ کی کماحقہ تعریف کرے لیکن سعادت دارین کے حصول کے لئے آپ کے عشاق نے اپنی استعداد کے مطابق آپ کی مدح سرائی کی ہے۔

اسی نظریہ کے مطابق عالی جناب کوکب ہدایت مولٰنا حاجی اللہ ودھایا صاحب نے حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف اور آپ کی ظاہری و باطنی خوبیوں میں ایک نہایت نفیس کتاب انوار رسالت تصنیف کی ہے۔ جس میں آپ نے مستند اور معتبر کتابوں کے حوالہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات جمیلہ اور سیرت قدسیہ نہایت اچھے انداز سے بیان فرمائی ہے۔

امید ہے عشاق اس کتاب کو حرز جان بنائیں گے اور مطالعہ سے اپنے ایمان اور جذبات عشق ومحبت کو جلا وضیا بخشیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یارانِ طریقت یا پیر بھائی

یارانِ طریقت اور قارئین رسالہ کے لئے یہ بات بہت خوش کن ہوگی — کہ آج سے ہم مستقل طور پر اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین امام العارفین حضرت امیر ملت شیخ الشیوخ الحافظ القاری المحدث سید جماعت علی شاہ صاحب قدس سرہٗ علی پوری نقشبندی مجددی کی مبارک کتاب المسمٰی بہ "یارانِ طریقت یا پیر بھائی" باقاعدہ شائع کر رہے ہیں۔ اس اشاعت میں اسکی پہلی قسط شائع ہو رہی ہے — امید ہے یارانِ طریقت اس مبارک سلسلہ کے توسط سے رسالہ انوار الصوفیہ کے لئے مزید نئے خریدار بنائیں گے۔ (گوہر)

یہ پیر بھائیوں کا سلسلہ کب سے جاری ہوا، اس امت میں سب سے پہلے پیر بھائیوں کا سلسلہ صحابہؓ کرام رضہ سے شروع ہوا (رضی اللہ عنہم) یہ سب ایک دوسرے کے پیر بھائی تھے جو کچھ صحابہ کرام کو ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں محبت تھی اس کی نظیر آج محال ہے۔ اس کے بعد یہ اتحاد محبت کا سلسلہ اب تک اسی طرح سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور اس محبت کا کم و زیادہ ہونا پیرانِ عظام کی نظر عنایت پر موقوف ہے۔

مرشد کامل کو کسی بات میں اس سے بڑھ کر خوشی نہیں ہوتی جتنی کہ اپنے دو مریدوں کو آپس میں متحد دیکھ کر ہوتی ہے اور اس کے برخلاف کسی بات سے اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا کہ دو مریدوں کو آپس میں ناراض دیکھنے سے ہوتا ہے اور اصول بھی یہی ہے کہ جب یہ سلسلہ اتحاد اور محبت کا محض اللہ تعالےٰ کے واسطے ہے تو پھر اس میں غیریت کیسی اور عناد چہ معنی؟ — ایسے دو شخصوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ دونوں مردودِ بارگاہ الٰہی ہیں۔ علاوہ اپنے پیر و مرشد اور ہادیٔ برحق کے دل دکھانے کے خدائے تعالیٰ کو بھی ناراض کر لیتے ہیں تو جو شخص اپنی نفسانیت کے واسطے خدائے تعالیٰ کو ناراض کرے اس سے بڑھ کر بدنصیب اور شقی کون ہو سکتا ہے۔

اکثر یارانِ طریق ان مسائل سے ناواقف ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کے باعث باہم بغض پیدا کر کے اپنے مولیٰ کو ناراض کر لیتے ہیں ان کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے نفس کی خرابیوں سے شرمانا چاہیئے اور ان خرابیوں کو دور کر کے باہمی محبت کا سلسلہ قائم کرنا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ ہے محبت ہی محبت ہے اور بس!

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ پانچ پانچ سو کوس کا سفر پاپیادہ طے کر کے اپنے پیر یا پیر بھائیوں کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور اسی نعمت کے

برابر اور کوئی نعمت نہ سمجھتے تھے۔ ابھی کل کی بات ہے۔ کہ
فقیر کے یارانِ طریق میں سے ایک شخص میاں وزیر محمد نامی
(خدائے تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں اسکی روح پر نثار ہوں)
امرتسر میں رہا کرتا تھا۔ بیچارا دو چار آنے روز کا کام کر کے
اپنا پیٹ پالتا تھا۔ جب اسے معلوم ہوجاتا کہ علی پور سے کوئی
شخص امرتسر آیا ہے تو سب کاروبار چھوڑ کر اس کی
تلاش میں نکلتا اور جب تک اس کی تلاش نہ کر لیتا چین
نہ آتا۔ پھر اس کو اپنے گھر لاتا اور اپنی استطاعت سے بڑھ
کر اسکی خدمت کرتا۔

اب بھی ایک شخص بابا روڈا نامی سیالکوٹ میں رہتا
ہے۔ نہایت ضعیف البدن اور بالکل مفلس آدمی ہے
اگر اسے معلوم ہوجائے کہ کوئی شخص علی پور سے سیالکوٹ
میں آیا ہے تو باوجود اپنی ضعیفی اور معذوری کے بذات خود
اس کی تلاش کر کے جب تک اپنے گھر میں لے جاکر اسکی
خدمت نہ کر لے۔ اسے آرام نہیں آتا۔ خدائے تعالیٰ اور
سب یاروں کو بھی یہ روحانی محبت عطا فرمادے۔

میرے قبلہ و کعبہ حضرت پیر و مرشد ہادی و مولیٰ فداہ
روحی و قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے والد ماجد حضرت خواجہ
نور محمد تیراہی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر کے اکثر ارشاد فرماتے
اور خود بدولت بھی اس بات پر زور دیا کرتے کہ یار طریقت
وہ ہوتا ہے جو یارانِ طریقت کی خدمت کرے ورنہ صرف
ہماری ہی خدمت کرنے سے کوئی شخص یار ہونے کا دعویٰ
نہیں کرسکتا کیونکہ ہماری خدمت تو کافر بھی کرتے ہیں ....
سبحان اللہ! یہ ایک جامع پرمعنی جملہ ہے جس کے الفاظ
تو تھوڑے سے ہیں مگر لفظ لفظ کے نیچے حقائق کا سمندر
لہریں مار رہا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ایک مستعد طالب کو
عمل کرنے کے لئے یہ ایک ہی حکم کافی ہے۔

حدیث شریف میں یہ مضمون اس طرح سے وارد
ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عزت کرے خدا اس
کی عزت کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ
جو شخص خدا تعالیٰ کی ذات پر اور قیامت پر ایمان رکھتا
ہو۔ اس کو لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اس
حدیث شریف میں لفظ اکرام ایک ایسا لفظ ہے کہ اس
کی جس قدر تشریح کی جائے، تھوڑی ہے۔ ہر ایک قسم کی
خدمت اس لفظ کے معنوں میں داخل ہے۔ غور کا مقام
ہے کہ جب حضور سرور کائنات علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ
والسلام عام مہمان کے اکرام کی اس قدر تاکید فرماتے ہیں،
تو اس کے بعد جس قدر خصوصیت تعلقات میں زیادہ ہوگی
اسی قدر اس حکم میں تاکید زیادہ ہوتی جائے گی۔

قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے
اٹھائیسواں پارہ پہلے ربع کا چوتھا رکوع:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ یعنے
باوجود اپنی ضرورتوں کے دوسروں پر ایثار
کرتے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
سے وارد ہے کہ ایک مسکین صحابی کے پاس (رضی اللہ تعالیٰ
عنہ) کوئی شخص بکری کا ایک بھنا ہوا سر لایا۔ اس صحابی نے
نے وہ سر اپنے سے زیادہ محتاج ایک صحابی کے پاس بھیج
دیا۔ اس دوسرے نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے
چوتھے کے پاس۔ اسی طرح وہ سر نو شخصوں کے پاس پھرا۔
خدائے تعالیٰ جل جلالہٗ کو ان کا یہ عمل نہایت پسند آیا اس پر یہ آیت
مذکورہ بالا نازل ہوئی

ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ایک دن ان
حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بہت سے مہمان

آ گئے۔ حضور نے حاضرین سے فرمایا۔ ان کی خدمت کرو چنانچہ ہر ایک صحابی بقدر استطاعت ایک ایک دو دو مہمانوں کو اپنے گھر لے گیا۔ ایک صحابی مہمان کو لے کر گھر پہنچا تو گھر میں دو روٹیاں موجود تھیں۔ جن پر ان کے سارے بال بچوں کو گذارہ کرنا تھا۔ اس مرد خدا نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو تو بھوکا سلا دو اور میں مہمان کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ جاؤں تو تم بتی نکالنے کے بہانے سے چراغ گل کر دینا۔ جب مہمان اور میزبان دونوں روٹیاں آگے رکھ کر بیٹھ گئے تو اس نیک بخت بی بی نے چراغ گل کر دیا۔ میزبان اندھیرے میں جھوٹ موٹ منہ ہلاتا رہا۔ تاکہ مہمان سمجھے کہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہے۔ یہاں تک کہ ان دونوں روٹیوں میں سے ایک نوالہ بھی اس مرد نے اپنے منہ میں نہ ڈالا۔ یہی نہیں کہ خود بھوکا رہا۔ بلکہ مہمان کی خاطر سے اپنی بیوی اور بچوں کو بھوکا رکھا اور مہمان جو اس کا پیر بھائی بھوکا رکھنا گوارہ نہ کیا۔ اس صحابی کا یہ عمل یعنی چراغ گل کرنا اور بغیر لقمہ اٹھانے کے ہاتھ منہ کی طرف لے جانا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوا۔ جب صبح وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس کو دیکھ کر مسکرائے اور بہت خوش ہو کر فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو۔ تیرا رات والا عمل بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو گیا ہے اور تیرے حق میں اللہ تعالیٰ نے ایک آیت بھیجی ہے۔ جس میں تجھے نجات کا وعدہ دیا گیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جنگ احد میں ایک صحابی زخم سے بیتاب ہو کر گرا اور نزع کی حالت پیاس کی شدت ہوئی تو کسی سے پانی مانگا۔ وہ شخص پانی لیکر اس کے سر پر پہنچا تو پاس سے ایک دوسرے شخص نے ہائے پانی ہائے پانی پکارا۔ پہلے زخمی نے پانی والے کو کہا پہلے اس دوسرے زخمی کو پلا۔ میں پیچھے پیوں گا۔ وہ شخص پانی لے کر دوسرے کے پاس گیا تو کسی تیسرے زخمی نے آواز دی۔ وہ تیسرے کی خدمت میں حاضر ہوا تو چوتھے زخمی نے پانی پانی پکارا۔ غرض وہ شخص اسی طرح پانی لئے ہوئے سات زخمیوں کے پاس گیا۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کو پیاسا رکھ کر خود پانی پینا گوارہ نہ کیا۔ جب وہ پانی کا پیالہ لے کر ساتویں کے سر پر پہنچا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ وہ پانی والا جس ترتیب سے گیا تھا اس ترتیب سے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سب کے سب جان دے چکے ہیں۔ وہ پیالہ پانی کا بھوں کا توں اس پانی والے کے ہاتھ میں موجود تھا۔ یہ ہیں سچے یار طریقت یا حقیقی پیر بھائی کے معنی میں

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی گلستان میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ دو دوست ایک کشتی میں سوار تھے۔ اتفاقاً دونوں دریا میں گر پڑے۔ ملاح ایک کو پکڑنے کے لئے پانی میں کود پڑا۔ تو اس ڈوبنے والے نے کہا کہ میاں ملاح مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور پہلے میرے اس یار طریقت کو پکڑو۔ اس کے ان الفاظ سے کشتی والے بہت بگڑے اور کہا۔ دیوانے تم اپنی جان تو پہلے بچا لو۔ پھر دوسرے کی فکر کرنا۔ اس کے جواب میں جو فقرے اس ڈوبنے والے کی زبان سے نکلے وہ ایسے جامع ہیں کہ آئندہ آنیوالی نسلیں جو محبت کا دعویٰ کریں گی وہ سب انہیں فقروں کو اپنا دستور العمل بنائیں گی۔ یعنی اس نے کہا کہ زبانی جمع خرچ یا منہ سے کسی کو یار کہہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یار وہ ہوتا ہے جو مشکل کے وقت اپنے آرام کو یار کی مصیبت پر نثار کر دے اور اگر یار کی خدمت میں جان بھی کام آ جائے تو دریغ نہ کرے۔

باقی آئندہ

رسالہ کے سرپرست حضرات کے اسماء گرامی

بصد شکریہ

۱۔ جناب شیخ حاجی کرم الٰہی صاحب لاہور

۲۔ جناب کیپٹن صاحبزادہ محمد امین صاحب کنجاہ

۳۔ جناب دفعدار مختار علی خاں صاحب ہربنس پورہ۔ لاہور

۴۔ جناب صوفی عطا محمد صاحب خزانچی چک ۱۱/۱۴۷ ضلع میانوالی

۵۔ جناب محمد شفیع صاحب زرگر ملتان

۶۔ جناب مولانا حاجی اللہ ودھایا صاحب لائلپور

۷۔ جناب حافظ محمد صدیق انور جماعتی ملتان

۸۔ جناب صوفی شوکت علی صاحب کلاتھ مرچنٹ منڈی بھلوال سرگودہا

۹۔ جناب پیر سید چراغ نبی صاحب کہروڑ پکا ضلع ملتان

۱۰۔ جناب غلام نبی صاحب آئرن مرچنٹ سانگلا ہل